نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه

ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مارچ ۲۰۱۰ء

- اذان اور اقامت کے مسائل
- تین رکعت وتر کا طریقہ
- تخلیقِ عورت اور سلف کا موقف

حضرو، اٹک : پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأً سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 7 | ربیع الاول ۱۴۳۱ھ مارچ ۲۰۱۰ء | شمارہ: 3

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

معاونین

حافظ ندیم ظہیر

ابو خالد شاکر

محمد اعظم

ابو جابر عبداللہ دامانوی

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

300 روپے

خط و کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

اصلِ ثانی: حدیث

قرآن مجید اَصلِ اول ہے اور حدیث اَصلِ ثانی، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ خاص اور صریح حدیث کو عمومِ قرآن اور خود تراشیدہ مفہوم کے مقابلے میں رد کر دیا جائے بلکہ دینِ اسلام میں قرآن و حدیث دونوں حجت ہیں اور دونوں وحی ہیں۔

قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور وحی متلو (وحی جلی) ہے، جبکہ حدیث نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا فعل و فرمان اور وحی غیر متلو (وحی خفی) ہے۔

حدیث کی دو قسمیں ہیں: مقبول (صحیح و حسن) اور غیر مقبول یعنی ضعیف و مردود۔

حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا دارومدار راویانِ حدیث اور اصولِ حدیث پر ہے۔

راویانِ حدیث کی چار بڑی اقسام ہیں:

۱) جن کے ثقہ و صدوق ہونے پر اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں۔

۲) جن کے ضعیف و مجروح ہونے پر اتفاق ہے اور کوئی اختلاف نہیں۔

ان دونوں اقسام میں اتفاقی فیصلہ حق اور حجت ہے، کیونکہ اجماع شرعی حجت ہے۔

۳) جن کے ثقہ و صدوق یا ضعیف و مجروح ہونے پر اختلاف ہے۔

ایسی صورت میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تطبیق و توفیق اور خاص کو عام پر مقدم کرنا چاہئے۔ اگر تطبیق و توفیق اور خاص کی عام پر تقدیم ممکن نہ ہو تو پھر ہمیشہ جمہور محدثین (مثلاً ایک کے مقابلے میں دو) کو ترجیح دینی چاہئے اور اس طرح یہ مسئلہ بغیر کسی فرقہ پرستی، خواہش پرستی اور تناقضات کے حل ہو جاتا ہے۔

۴) جن کی توثیق ثابت نہیں اور وہ علم کے ساتھ مشہور نہ ہونے کی وجہ سے مجہول و نامعلوم کے حکم میں ہیں۔

اول الذکر کی غیر معلول اور غیر شاذ حدیث کے صحیح ہونے پر اہلِ ایمان کا اجماع ہے۔

ثانی الذکر کی بیان کردہ حدیث ضعیف ومردود ہوتی ہے، اِلا یہ کہ اُس کی معتبر متابعت یا قوی شاہد ثابت ہو۔

آخری قسم (چہارم) کے راوی کی روایت قولِ راجح میں ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

اصولِ حدیث میں اس مسئلے پر اتفاق ہے کہ جس حدیث میں پانچ شرطیں ہوں، وہ صحیح ہوتی ہے:

ہر راوی عادل ہو، ہر راوی ضابط ہو (ان دونوں کے مجموعے کو ثقہ وصدوق کہا جاتا ہے)، سند متصل ہو، شاذ نہ ہو اور معلول (علتِ قادحہ کے ساتھ) نہ ہو۔

دیکھئے مقدمہ ابن الصلاح (ص ۲۰)

معلوم ہوا کہ مرسل اور منقطع دونوں متصل نہ ہونے کی وجہ سے ضعیف حدیث کی اقسام ہیں اور اسی طرح مدلّس (مدلّس کے عنعنہ والی) روایت معلول ہونے کی وجہ سے (غیر صحیحین میں) ضعیف ومردود ہوتی ہے۔

ہم اپنی مرضی کی روایت کو صحیح اور مرضی کے خلاف روایت کو ضعیف نہیں کہتے بلکہ ہمیشہ اصول کی پابندی اور عدل وانصاف سے کام لیتے ہیں۔ والحمدللہ

جب اہلِ حدیث (اہلِ سنت) صحیح حدیث کو قبول اور ضعیف حدیث کو رد کر دیتے ہیں تو بعض لوگ ضعیف حدیث کے دفاع میں شور مچانا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہی لوگ خود بہت سی روایات کو ضعیف قرار دے کر ردّ کر دیتے ہیں، جس کی فی الحال دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: امام قتیبہ بن سعید الثقفی رحمہ اللہ (ثقہ ثبت/من رجال الستہ) نے صحیح سند کے ساتھ ایک حدیث بیان کی، جس میں آیا ہے: نبی ﷺ ...اگر زوالِ شمس کے بعد سفر کرتے تو ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے سفر شروع کرتے تھے۔

(مسند احمد ۵/۲۴۱۔۲۴۲، سنن ابی داود: ۱۲۲۰، وقال: لم یروھذا الحدیث اِلا قتیبہ وحدہ)

اس حدیث کو ترمذی نے حسن غریب (ح ۵۵۴) اور ابن حبان (الاحسان: ۱۴۵۶) نے صحیح کہا ہے۔

احمد رضا خان بریلوی نے اس حدیث پر جرح کر کے اسے غلط اور منکر قرار دیا۔
دیکھئے فتاویٰ رضویہ (طبع جدید ج ۵ ص ۲۰۵۔۲۰۶)

یاد رہے کہ اس روایت پر امام بخاری کی جرح ثابت نہیں۔
دیکھئے میری کتاب علمی مقالات (ج ۲ ص ۱۹۴۔۱۹۵)
اس حدیث سے سفر میں جمع تقدیم کا ثبوت ملتا ہے لیکن بریلویہ اس کے سراسر خلاف ہیں۔

احمد رضا خان نے اس حدیث پر جرح میں دو بڑی خیانتیں کی ہیں:

۱: ترمذی سے ''حدیث غریب'' کے الفاظ نقل کئے اور ''حسن غریب'' کے الفاظ کو جان بوجھ کر حذف کر دیا، حالانکہ یہ الفاظ اسی عبارت کے متصل اوپر لکھے ہوئے ہیں۔

۲: ''المکی'' کے بعد امام ترمذی نے فرمایا: ''**و بھذا الحدیث یقول الشافعي و أحمد و إسحاق یقولان : لا بأس أن یجمع بین الصلاتین فی السفر في وقت احداھما** '' اور اس حدیث کے مطابق شافعی کا قول ہے، احمد اور اسحاق کہتے ہیں: سفر میں دو نمازوں کے کسی ایک وقت میں (مثلاً ظہر کے وقت میں عصر اور عصر کے وقت میں ظہر) جمع کر کے پڑھنا جائز ہے۔ (ح ۵۵۴)

اگر درج بالا حدیث صحیح ہے تو سفر میں جمع تقدیم کا ثبوت ہے اور اگر (بقولِ بریلویہ) ضعیف ہے تو بریلویوں نے حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کر دیا لہٰذا وہ دوسروں پر کیوں اعتراض کرتے ہیں؟!

دوم: امام طاوس رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھتے تھے۔ (کتاب المراسیل: ۳۴ وسنن ابی داود: ۷۵۹)
دیوبندی اور بریلوی دونوں گروہ اس حدیث کو ضعیف قرار دے کر رد کر دیتے ہیں۔

اگر کوئی اہلِ حدیث کسی ضعیف حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کر دے تو یہ دونوں فرقے شور مچانا اور منکرِ حدیث کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟!

(۲۰/ جنوری ۲۰۱۰ء)

عالم اور عابد کا فرق

الفصل الثاني

۲۱۲) عن كثير بن قيس قال : كنتُ جالسًا مع أبى الدرداء في مسجد دمشق فجاء رجل فقال :يا أبا الدرداء !إني جئتك من مدينة الرسول ﷺ، ما جئتُ لحاجة . قال :فإني سمعت رسول اللّٰه ﷺ يقول :
((من سلك طريقًا يطلب فيه علمًا سلك اللّٰه به طريقًا من طرق الجنة و إنّ الملائكة لتضع أجنحتها رضًى لطالب العلم و إنّ العالم يستغفر له من فى السموات و من فى الأرض والحيتان في جوف الماء و إن فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر علىٰ سائر الكواكب و إنّ العلماء ورثة الأنبياء و إنّ الأنبياء لم يورّثوا دينارًا ولا درهمًا و إنما ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر .)) رواه أحمد والترمذي وأبو داود و ابن ماجه والدارمي وسماه الترمذي قيس بن كثير.

کثیر بن قیس (یا قیس بن کثیر/ ایک ضعیف راوی) سے روایت ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں ابوالدرداء (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا پھر ایک آدمی آیا تو کہا: اے ابودرداء! میں آپ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر (مدینے) سے آیا ہوں اور کسی (دُنیاوی) ضرورت کے لئے نہیں آیا، انھوں (سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: بے شک میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سُنا: جو شخص علم کی طلب کے لئے کسی راستے پر چلتا ہے، اللہ اُسے جنت والے راستے پر چلا دیتا ہے، اور فرشتے اپنے پر طالب علم کی رضامندی کے لئے بچھا دیتے ہیں، عالم کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اور پانی میں مچھلیاں دعائے استغفار کرتی ہیں، عابد پر عالم کی فضیلت اس طرح ہے جیسے تمام ستاروں پر چودھویں کے چاند کو فضیلت

حاصل ہے۔ بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں، انبیاء کی وراثت درہم و دینار نہیں بلکہ اُن کی وراثت تو علم ہے، جس نے اسے حاصل کرلیا تو اسے بہت بڑا حصہ مل گیا۔

اسے احمد (۵/۱۹۶ح ۲۲۰۵۸) ترمذی (۲۶۸۲ وقال: ''ولیس إسناده عندي بمتصل'' أي سند الترمذي لأنه سقط منه داود بن جميل) ابوداود (۳۶۴۱) ابن ماجہ (۲۲۳) اور دارمی (۱/۹۹ح ۳۴۹) نے روایت کیا اور ترمذی نے (کثیر بن قیس کے بجائے) قیس بن کثیر کہا۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔

روایتِ مذکورہ میں دو راوی ضعیف ہیں:

۱: کثیر بن قیس یا قیس بن کثیر . (تقریب التہذیب: ۵۶۲۴ وقال: ضعیف)

۲: داود بن جمیل . (تقریب التہذیب: ۱۷۷۸، وقال: ضعیف)

سنن ابی داود (۳۶۴۲) میں اس کی دوسری سند بھی ہے لیکن وہ بھی ضعیف ہے۔ اس میں شبیب بن شیبہ مجہول ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب (۲۷۴۱)

یا اُس سے مراد شعیب بن رزیق ہیں، جو کہ قولِ راجح میں حسن الحدیث راوی تھے۔

دیکھئے تحریر تقریب التہذیب (۲/۱۱۷ت ۲۸۰۱)

اگر شبیب بن شیبہ سے شعیب بن رزیق ابوشیبہ مراد لیا جائے تو پھر دو باتیں اہم ہیں:

۱: ولید بن مسلم رحمہ اللہ مدلس تھے۔

امام ابومسہر (عبدالاعلیٰ بن مسہر الغسانی/ متوفی ۲۱۸ھ) رحمہ اللہ نے کہا:

''كان الوليد يأخذ من ابن أبي السفر حديث الأوزاعي و كان ابن أبي السفر كذّاب [!] وهو يقول فيها: قال الأوزاعي'' ولید (بن مسلم) ابن ابی السفر سے اوزاعی کی حدیث لیتے اور ابن ابی السفر (لعله يوسف بن السفر : كاتب الاوزاعی) کذاب تھا، اور وہ (ولید بن مسلم) کہتے: اوزاعی نے کہا۔ (تاریخ دمشق ۲۱۲/۶۶ وسندہ صحیح)

اس قول کی سند صحیح ہے اور راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

① ابوالقاسم بن السمر قندی شیخ ابن عساکر ثقہ تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۲۰/ ۲۸۔۳۱)

② ابوالفضل بن البقال ثقہ تھے۔ دیکھئے المنتظم (۱۶/ ۲۰۳۔۲۰۴ ت ۳۴۹۵ وفیات ۴۷۱ھ)

③ ابوالحسین بن بشران صدوق تھے۔ دیکھئے سیر اعلام النبلاء (۱۷/ ۳۱۲)

④ عثمان بن احمد عرف ابن السماک ابوعمرو الدقاق ثقہ و صدوق تھے۔

دیکھئے لسان المیزان (۴/ ۱۳۱۔۱۳۲، دوسرا نسخہ ۴/ ۵۸۸۔۵۹۰)

⑤ حنبل بن اسحاق ثقہ تھے۔

ہمارے عربی دوست اور الشیخ الصالح ابو جابر عبداللہ بن محمد بن عثمان الانصاری المدنی حفظہ اللہ نے تین جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے:

''القول النفیس في براء ۃ الولید بن مسلم من التدلیس''

اس کتاب میں حنبل بن اسحاق کے بارے میں ابو جابر الانصاری المدنی حفظہ اللہ نے سیوطی سے نقل کیا: ''.... **له تاریخ حسن وغیره و له عن أحمد سؤالات یأتي فیها بغرائب ویخالف رفاقه ...** '' اس کی تاریخ اچھی ہے، وغیرہ، اور اس نے احمد بن حنبل سے سوالات کئے جن میں وہ غرائب لاتا تھا اور اپنے رفقاء کی مخالفت کرتا تھا....

(بحوالہ طبقات الحفاظ ص ۲۷۲ ت ۶۱۱)

اور حافظ ذہبی کی سیر اعلام النبلاء (۱۳/ ۵۲) سے نقل کیا: ''..... **له مسائل کثیرة عن أحمد و یتفرد و یغرب ....** ''اس نے احمد سے بہت سے مسائل بیان کئے، وہ (بعض میں) منفرد رہتا ہے اور غرائب بیان کرتا ہے۔ (القول النفیس ج ۳ ص ۱۲۴)

عرض ہے کہ یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

حنبل بن اسحاق کے بارے میں خطیب بغدادی نے کہا: ''**و کان ثقة ثبتاً**''

دارقطنی نے کہا: ''**و کان صدوقاً**'' وہ سچا تھا۔ (تاریخ بغداد ۸/ ۲۸۷ ت ۴۳۸۶ وسندہ صحیح)

ابن الجوزی نے کہا: ''**و کان ثقة ثبتاً صدوقاً**'' (المنتظم ۱۲/ ۲۵۶ ت ۱۷۹۰، وفیات ۲۷۳ھ)

خود حافظ ذہبی نے کہا: ''**الحافظ الثقة**'' (تذکرۃ الحفاظ ۲/ ۶۰۰ ت ۶۲۴)

اور کہا: ''الإمام الحافظ المحدّث الصدوق المصنف'' (سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۵۱)

خود سیوطی نے کہا: ''الحافظ الثقة'' (طبقات الحفاظ ص ۲۷۲ ت ۶۱۱)

جمہور کی اس زبردست توثیق کے مقابلے میں غرائب اور افراد بیان کرنے والی جرح کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

⑥ حنبل بن اسحاق کے استاذ امام یحییٰ بن معین بہت بڑے ثقہ امام بلکہ فوق الثقہ تھے۔

خلاصہ یہ کہ ابو مسہر کے قول کی سند صحیح ہے اور اس سے ولید بن مسلم کا مدلس ہونا ثابت ہے۔

امام دارقطنی نے ولید بن مسلم کے بارے میں کہا:

''**الوليد بن مسلم يرسل، يروي عن الأوزاعي أحاديث الأوزاعي عن شيوخ ضعفاء عن شيوخ قد أدركهم الأوزاعي مثل :نافع و عطاء و الزهري فيسقط أسماء الضعفاء ويجعلها عن الأوزاعي عن عطاء يعنى مثل عبد الله ابن عامر الأسلمي و إسماعيل بن مسلم.**'' ولید بن مسلم مرسل روایتیں بیان کرتے تھے، وہ اوزاعی سے اُن کی حدیثیں بیان کرتے جو انھوں نے ضعیف استادوں سے بیان کی تھیں، انھوں نے اُن استادوں سے بیان کی تھیں جنھیں اوزاعی نے پایا یعنی دیکھا تھا۔ مثلاً نافع، عطاء اور زہری پھر وہ ضعیف راویوں کے نام گرا دیتے اور ان روایتوں کو عن اوزاعی عن عطاء بیان کر دیتے، یعنی عبداللہ بن عامر الاسلمی اور اسماعیل بن مسلم جیسے (ضعیف راویوں کو وہ سند سے گراتے تھے۔) (کتاب: الضعفاء والمتروکون: ۶۳۱)

امام دارقطنی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ولید بن مسلم تدلیسِ تسویہ کرتے تھے۔

ولید بن مسلم کو حافظ ابن حجر، العلائی، ابو زرعہ ابن العراقی، ذہبی، حلبی، مقدسی، اور سیوطی وغیرہم نے مدلس قرار دیا ہے۔ دیکھئے الفتح المبین (ص ۷۳)

اور ان کا کوئی مخالف مجھے معلوم نہیں ہے لہٰذا تدلیسِ ولید پر اجماع ہے۔

شعیب بن رزیق والی روایت (تحفۃ الاشراف ۸/ ۲۲۷) میں اُن (ولید بن مسلم) کے سماع کی تصریح موجود نہیں۔

۲: شعیب بن رزیق سے ولید بن مسلم والی روایت کی مکمل سند اور مکمل متن نا معلوم ہے۔

سنن ابن ماجہ (۲۳۹) وغیرہ میں اس حدیث کے ضعیف شواہد بھی ہیں، جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی رہتی ہے، اگرچہ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: ''**لکن له شواهد يتقوى بها**''، لیکن اس کے شواہد ہیں جس سے یہ قوی ہو جاتی ہے۔ (فتح الباری ۱/۱۶۰، قبل ح ۶۸) !

فائدہ: صحیح مسلم میں آیا ہے: ''اور جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے اس کے راستے پر چلے گا تو اللہ اس کا جنت کی طرف راستہ آسان کر دے گا....''

(ح ۲۶۹۹، اضواء المصابیح: ۲۰۴، ماہنامہ الحدیث حضرو: ۶۶ ص ۳)

اسی طرح یہ بھی صحیح ہے کہ انبیاء کی (مال و دولت والی) وراثت نہیں ہوتی، بلکہ وہ جو بھی چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۳۰۹۴) و صحیح مسلم (۱۷۵۷)

امام جعفر الصادق رحمہ اللہ نے فرمایا: اور بے شک انبیاء کے وارث علماء ہیں، بے شک نبیوں کی وراثت درہم و دینار نہیں ہوتی لیکن وہ علم کی وراثت چھوڑ تے ہیں، جس نے اسے لیا تو اس نے بڑا حصہ لے لیا۔ (الاصول من الکافی للکلینی ج ۱ ص ۳۴، باب ثواب العالم والمتعلم ح ۱، وسندہ صحیح عند الشیعۃ، موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی ص ۱۱۵ ح ۴۴)

سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (مجھے پتا چلا ہے کہ) بے شک طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پَر بچھاتے ہیں، اس کے طلبِ علم کی رضا مندی کے لئے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۳۵، ۳۵۳۶ وقال: ''حسن صحیح'' وھو حدیث حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ (رحمت برساتا ہے اور) اُس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سُوراخ (بل) میں اور مچھلی (سمندر، پانی میں) بھی لوگوں کو خیر سکھانے والے استاد کے لئے دعائیں کرتی ہے۔

دیکھئے آنے والی حدیث: ۲۱۳

۲۱۳) وعن أبي أمامة الباهلي قال: ذكر لرسول الله ﷺ رجلان:

أحدهما عابد والآخر عالم فقال رسول اللّٰہ ﷺ :

((فضل العالم على العابد كفضلي علٰى أدناكم .))

ثم قال رسول اللّٰہ ﷺ :((إنّ اللّٰہ وملائكته و أهل السماوات والأرض حتى النملة في جحرها و حتى الحوت ليصلّون علٰى معلّم الناس الخير .))

رواه الترمذي . (سیدنا) ابوامامہ الباہلی (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا: ایک عابد اور دوسرا عالم، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت ہے، جیسے میری فضیلت تم میں سے ایک ادنیٰ آدمی پر ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ (رحمت برساتا ہے اور) اُس کے فرشتے، آسمانوں اور زمینوں والے حتیٰ کہ چیونٹی اپنے سُوراخ (بل) میں اور مچھلی (سمندر، پانی میں) بھی لوگوں کو خیر سکھانے والے استاد کے لئے دعائیں کرتی ہے۔

اسے ترمذی (۲۶۸۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

امام ترمذی نے فرمایا: "حسن غريب صحيح"

ولید بن جمیل حسن الحدیث راوی تھے۔ دیکھئے میری کتاب: تسہیل الحاجہ (۳۷۲۵)

فقہ الحدیث:

۱: بچوں کو کتاب و سنت کی تعلیم دینا اور مدارس کے انتظام و انصرام میں حصہ لینا کارِ خیر ہے۔

۲: صحیح العقیدہ باعمل عالم کو عابد پر ہمیشہ فضیلت حاصل ہے۔

۳: مخلوقاتِ غیر ناطقہ کا استغفار کرنا اُمورِ غیب میں سے ہے، جس پر ثبوت کے بعد ایمان لانا ضروری ہے اور اس کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں۔

۴: قاضی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: "عالم عامل معلّم يدعى كبيرًا في ملكوت السموات" عالم عامل معلّم آسمانوں کی بادشاہی میں بڑا کہلاتا ہے۔

(سنن الترمذی: ۲۶۸۵ وسندہ صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

کیا مباہلہ کرنا جائز ہے؟

سوال کیا صحیح العقیدہ مسلمانوں کا اہلِ بدعت اور گمراہوں سے مباہلہ کرنا جائز ہے؟ (ایک سائل)

الجواب ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ﴾

پھر آپ کے پاس علم آجانے کے بعد جو شخص جھگڑا کرے تو کہہ دیں: آؤ! ہم اپنے بیٹے بلائیں اور تم اپنے، ہم اپنی عورتیں بلائیں اور تم اپنی، اور ہم اپنے اشخاص بلائیں اور تم اپنے اشخاص بلاؤ پھر ہم مباہلہ کریں کہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ (آل عمران:٦١)

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس نجران سے دو عیسائی: عاقب اور سید آئے تا کہ آپ (ﷺ) سے مباہلہ کریں۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: مباہلہ نہ کرنا، اللہ کی قسم! اگر وہ نبی ہوا تو ہم مباہلے کے بعد کبھی فلاح میں نہیں رہیں گے اور نہ ہماری نسل باقی رہے گی۔ (دیکھئے صحیح بخاری ۴۳۸۰ ملخصاً)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ لوگ نبی ﷺ سے مباہلہ کرنے کے لئے باہر نکلتے تو واپسی پر اپنے گھر والوں اور مال میں سے کچھ بھی نہ پاتے یعنی سب کچھ تباہ ہو جاتا۔

(تفسیر عبدالرزاق ۱/۱۲۹ ح ۴۱۱ وسندہ صحیح، تفسیر ابن جریر الطبری ج ۳ ص ۲۱۲ وسندہ صحیح)

نیز دیکھئے مسند الامام احمد (۱/۲۴۸ ح ۲۲۲۵)

مشہور ثقہ تابعی قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ نبی ﷺ اہل نجران (کے عیسائیوں) سے مباہلہ کرنے کے لئے نکلے پھر جب انھوں (عیسائیوں) نے آپ کو دیکھا تو

ڈر گئے پھر وہ (عیسائی مباہلے کے بغیر ہی) واپس چلے گئے۔

(تفسیر عبدالرزاق ١/١٢٩ ح ٢٠٩ وسندہ صحیح، تفسیر طبری ٣/٢١٢ وسندہ صحیح)

اس آیت کی تشریح میں یہ بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (سیدنا) علی (بن ابی طالب رضی اللہ عنہ) (سیدہ) فاطمہ (سیدنا) حسن اور (سیدنا) حسین (رضی اللہ عنہم اجمعین) کو بلایا اور فرمایا: ((اللهم هؤلاء أهلي .)) اے اللہ! یہ میرے اہل ہیں۔

(صحیح مسلم: ٢٤٠٤، دارالسلام: ٦٢٢٠)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ اگر ضرورتِ شرعیہ ہو تو صحیح العقیدہ (اور قابلِ اعتماد، صالح) مسلمانوں کا کفار کے خلاف مباہلہ کرنا جائز ہے۔

مباہلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دو فریقوں کا باہم جمع ہو کر اللہ سے دعا کرنا کہ اے اللہ! جو ناحق پر اور جھوٹا ہے، اُسے ہلاک کر دے، تباہ و برباد کر دے، اُس پر لعنت بھیج۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ ﴾ اللہ تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ اے اہل بیت! تم سے پلیدی کو دُور کر دے۔ (الاحزاب: ٣٣)

اس کی تشریح میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نزلت في نساء النبي صلی اللہ علیہ وسلم خاصة'' یہ (آیت) خاص طور پر نبی ﷺ کی بیویوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس روایت کے راوی مشہور ثقہ تابعی عکرمہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''من شاء باهلته: أنها نزلت في أزواج النبي صلی اللہ علیہ وسلم'' جو چاہے میں مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں کہ یہ (آیت) نبی ﷺ کی ازواج (بیویوں) کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن ابی حاتم بحوالہ تفسیر ابن کثیر ٥/١٦٩۔١٧٠، وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ١١/١٥٣، تاریخ دمشق لابن عساکر ٧٣/١١١، وسندہ حسن، ترجمۃ ام المومنین ام حبیبہ رملۃ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا، قلت: و في تاريخ دمشق " زيد النحوي " والصواب: يزيد النحوي)

اس اثر سے معلوم ہوا کہ اگر شرعی ضرورت ہو تو صحیح العقیدہ اور صالح و قابلِ اعتماد مسلمان یا مسلمانوں کا اہلِ بدعت یا گمراہوں اور کفار کے خلاف مباہلہ کرنا جائز ہے لیکن یاد رہے کہ صرف نبی کا مباہلہ ایسا ہے کہ مقابلے میں آنے والے ہر شخص کی تباہی و بربادی یقینی

ہے، جبکہ اُمتیوں کے مباہلے میں یہ بات نہیں ہوتی لہٰذا بہتر ہے کہ مباہلہ نہ کیا جائے۔

محدث برہان الدین البقاعی نے لکھا ہے: ہمارے استاذ حافظ ابن حجر العسقلانی کا ابن الامین نامی ایک شخص سے ابن عربی کے بارے میں مباہلہ ہوا۔اس آدمی نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی گمراہی پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔حافظ ابن حجر نے کہا: اے اللہ! اگر ابن عربی ہدایت پر ہے تو تُو مجھ پر لعنت فرما۔وہ شخص اس مباہلے کے چند مہینے بعد رات کو اندھا ہو کر مر گیا۔ یہ واقعہ ۷۹۷ھ کو ذوالقعدہ میں ہوا تھا اور مباہلہ (تقریباً دو مہینے پہلے) رمضان میں ہوا تھا۔ (تنبیہ الغبی ص ۱۳۶۔۱۳۷، علمی مقالات ج ۲ ص ۴۷۰۔۴۷۱)

خلاصۃ التحقیق: حتی الوسع مباہلہ سے گریز کرنا چاہئے اور فقہی واجتہادی مسائل کی وجہ سے مسلمانوں کا آپس میں مباہلہ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ دلائل کے ساتھ فریقِ مخالف کو سمجھانا چاہئے اور اگر اشد ضرورت ہو تو پھر کفر واسلام کے اختلاف اور صریح و اجماعی اور سلف صالحین کے متفقہ عقیدے پر صحیح العقیدہ نیک سمجھدار اشخاص کٹر مبتدعین اور گمراہوں کے خلاف مباہلہ کر سکتے ہیں لیکن یاد رہے کہ قطعی نتیجہ صرف نبی کے مباہلے کا ہی تھا، باقی امتیوں کے مباہلے کا نتیجہ اور انجام یقینی معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۸/ دسمبر ۲۰۰۹ء)

قافلۂ باطل کے جواب میں

☆ بابا رتن یا بیر رَطن کا صحابی ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔اس مسئلے پر شرائط اور ثالث طے ہونے کے بعد ہم محمد الیاس گھمن سے پُر اَمن مناظرے کے لئے تیار ہیں۔

☆ عمرو بن حکام اور علی بن زید بن جدعان (دو ضعیف راویوں) کی منکر روایت میں عام کتبِ حدیث میں ''ملك الروم'' کے الفاظ اور المستدرک للحاکم میں ''ملك الهند'' کے الفاظ آئے ہیں۔روایت ایک ہی ہے، جسے ضعیف راویوں نے الفاظ بدل کر بیان کیا ہے، اگر کوئی شخص اس روایت کو صحیح سمجھتا ہے تو شرائط اور ثالث طے کرنے کے بعد ہم اُس سے اس روایت کے ضعیف ہونے پر مناظرہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

(۲۴/ جنوری ۲۰۱۰ء)

تحریر: جلال الدین السیوطی ترجمہ: ابوالاسجد محمد صدیق رضا

قبر پرستی کا رد، سیوطی کے قلم سے

[علامہ جلال الدین السیوطی المتوفی (۹۱۱ھ) نویں صدی ہجری کے مشہور کثیر التصانیف عالم گزرے ہیں، آپ نے علوم القرآن، علوم الحدیث، تفسیر، حدیث، فقہ، فتاویٰ جات وغیرہا کئی ایک موضوعات پر مہمیزِ قلم کو جنبش دی اور کئی ایک کتابیں تصنیف فرما دیں، انھی کتب میں ایک کتاب ''الأمر بالإتباع والنهي عن الإبتداع'' بھی ہے۔

آپ کی یہ کتاب ''مصطفیٰ عاشور'' کی تحقیق کے ساتھ **مکتبۃ القرآن بولاق قاهرة** سے طبع ہوئی۔ گو کہ علامہ سیوطی اہلِ علم کے ہاں علمِ حدیث میں ''حاطب اللیل'' مشہور ہیں، جو بلا تمیز رطب و یابس اپنی کتب میں جمع فرما لیتے تھے۔ بہر حال آپ کی یہ تصنیف مجموعی لحاظ سے بہت ہی عمدہ تصنیف ہے۔ اس کتاب میں ایک فصل کا عنوان ہے: ''**تعظيم الأماكن التي لا تستحق التعظيم**'' (یعنی اُن مقامات کی تعظیم جو کہ تعظیم کے مستحق نہیں) یہ بحث کتابِ مذکور کے صفحہ ۵۳ تا ۶۴ تک پھیلی ہوئی ہے۔ ہم اسی فصل کا اردو ترجمہ قارئین ماہنامہ ''الحدیث'' حضرو کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

بلا شبہ رسول اللہ ﷺ کی ثابت شدہ پیشین گوئی کے مطابق آج امتِ مسلمہ کا بڑا حصہ تقلید اور آباء و بزرگ پرستی میں اُمم سابقہ کے نقشِ قدم پر چلا جا رہا ہے، مظاہر پرستی و قبر پرستی کے نمونے جگہ جگہ عام دعوتِ نظارہ و عبرت دے رہے ہیں، دین اسلام کی حقیقی تعلیم اجنبی سی ہوتی جا رہی ہے۔ ایسے دور میں کوئی حق بات بیان کرے تو اسے ایک نئی بات، نئی سوچ قرار دیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی کی کتاب سے اس فصل کا ترجمہ پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قبر پرستی کا جرم اور اس کا رد کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پہلے بھی لوگ اصلاح کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ اس فعلِ شنیع کا رد صحیح احادیث کی بنیاد پر ہے، جسے ''وہابیت یا نجدیت'' کا عنوان دیکر با آسانی ٹھکرایا نہیں جا سکتا۔ محمد صدیق رضا]

وہ مقامات جو تعظیم کے مستحق نہیں

اور منجملہ بدعات میں سے یہ بھی ہے کہ شیطان اسے عوام کے لئے مزین کر دیتا ہے جس بنا پر لوگوں کا اس میں مبتلا ہونا عام ہے۔ زعفران اور عرقِ گلاب ملا کر (بزعم خود مقدس) دیواریں اور ستون بنانا اور ہر شہر میں کچھ مخصوص مقامات پر چراغ جلانے جیسے کام عوام سرانجام دیتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح کے کاموں سے تقرب حاصل کرنے والے ہیں، پھر اپنے دلوں میں ان مقامات کی تعظیم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں، ان کی خوب تعظیم کرتے ہیں، ان کے لئے مختلف نذریں مان کر بیماریوں سے شفا اور اپنی ضرورتوں کے پورا ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ اس قسم کے مقامات: چشمے، درخت، دیوار یا کسی روشندان وغیرہ پر مشتمل ہیں، جو حدیث میں وارد ''ذاتِ اَنواط'' سے مشابہت رکھتے ہیں، جسے ترمذی (۲۱۸۰) نے بیان کیا اور صحیح قرار دیا۔

سیدنا ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حنین کی طرف نکلے، قریش کا ایک بڑا اور سرسبز درخت تھا، جس کے پاس وہ ہر سال آیا کرتے تھے، اس درخت پر اپنا اسلحہ لٹکاتے اور اس کے پاس (اپنے جانوروں کو) چارہ کھلاتے اور (بطورِ تقرب) اس درخت کے لئے جانور ذبح کرتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، ابھی ہمیں کفر کو چھوڑے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، مشرکین کا ایک بیری کا درخت تھا، جس کے پاس وہ اعتکاف کرتے (چلّے کاٹتے) اس پر (حصولِ برکت کے لئے) اپنا اسلحہ لٹکاتے، اس درخت کو ''ذاتِ انواط'' کہا جاتا تھا، ہم اُس بیری کے درخت کے پاس سے گزرے تو کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی ''ذاتِ انواط'' مقرر کیجئے جس طرح کہ ان کا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعجب سے فرمایا: سبحان اللہ، اللہ اکبر (یہ تو اس طرح کی بات ہے) جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اُن سے کہا تھا: ﴿اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا

لَهُمْ اٰلِهَةٌ ﴾ ہمارے لئے بھی ایک ایسا الٰہ (معبود) مقرر کر دیں جس طرح کہ ان کے آلہہ (معبود) ہیں۔ (الاعراف: ۱۳۸)

پھر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ((والّذي نفسي بیده لتر کبن سنة من کان قبلکم)) اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر چلو گے۔ (ترمذی: ۲۱۸۰، وقال: ''حسن صحیح'' وھو حدیث صحیح، مسند احمد ۵/۲۱۸ ح ۲۱۸۹)

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صرف کفار سے مشابہت کی بنا پر اس بات سے روک دیا۔ امام ابو بکر الطرطوشی نے فرمایا: دیکھو! اللہ تم پر رحم فرمائے! تم جہاں کہیں بیری یا کوئی سا درخت دیکھو یا ستون، دیوار، طاقچہ یا ایسا پتھر جس کی طرف لوگ جاتے اور اس کی تعظیم بجا لاتے ہوں اور ان چیزوں سے شفا کا یقین رکھتے اور (منت مانتے ہوئے) اس پر چیتھڑے (کپڑے کے ٹکڑے) باندھتے ہوں، وہاں شمع اور چراغ روشن کرتے ہیں یا اُن مقامات کے لئے تیل وغیرہ کی نذر مانتے ہوں تو (جان لو کہ) یہ بھی ''ذات انواط'' ہی ہیں، انھیں کاٹ ڈالو، جڑ سے اُکھاڑ پھینکو۔ (دیکھئے کتاب الحوادث والبدع للطرطوشی ص ۱۸۔۱۹)

طرطوشی کا ''ینوطون'' کہنا اس سے مراد لٹکانا ہے، یہ بہت ہی بُرا اور قبیح عمل ہے۔ اس لئے کہ یہ بتوں کی پرستش سے مشابہت رکھتا ہے اور بتوں کی عبادت کا ایک ذریعہ و راستہ ہے اور اسی کی ایک قسم ہے، چونکہ بتوں کی پرستش کرنے والے ایسے مخصوص مقامات پر (حصولِ برکت کے لئے) جاتے تھے۔

شریعت نے اس عمل کو اچھا قرار نہیں دیا، تو یہ عمل منکرات یعنی غیر شرعی اعمال میں سے ہے، خواہ وہاں کا قصد نماز، دعا، قراءت، ذکر الٰہی، جانور ذبح کرنے کے لئے کرے، یا وہاں کے لئے کسی اور عبادت کو خاص کر دے۔

نذریں ماننے کی بدعات: اور مندرجہ بالا امور سے بھی زیادہ بُرا عمل یہ ہے کہ ان مقامات کو روشن رکھنے کے لئے تیل یا شمع کی نذر مانے اور یہ کہے کہ یہ مقامات یا آستانے ان نذرانوں یا منتوں کو قبول کرتے ہیں جیسا کہ بعض گمراہ لوگ کہا کرتے ہیں۔ یا کسی قبر

کے لئے اس قسم کی کوئی منت مان لے۔ یہ علماء کے ہاں بالاتفاق نذرِ معصیت (یعنی نافرمانی والی منت) ہے۔ ایسی منتوں کا پورا کرنا جائز نہیں بلکہ بہت سے علماء کے نزدیک ایسی نذر ماننے والے شخص پر قسم کا کفارہ لازم آتا ہے۔ ان علماء میں امام احمد اور دیگر شامل ہیں۔ اسی طرح ان مقامات کی مچھلیوں، چشموں اور کنوؤں کے لئے روٹی دینے کی نذر ماننا بھی نافرمانی و گناہ ہے۔ قبروں کے مجاوروں کے لئے مال دینے کی نذر ماننا، خواہ درہموں کی شکل میں ہو یا سونا، چاندی، اونٹ، گائے، دنبہ وغیرہ کی شکل میں، یہ بھی گناہ اور نافرمانی ہے۔ اسی طرح ایسے مقامات کے خادموں (مجاوروں) کے لئے جنھیں (عربی میں): ''سَدَنَة'' کہا جاتا ہے، منت ماننا بھی نذرِ معصیت ہے اور اس میں بتوں کے خادموں کے لئے نذر ماننے کی مشابہت ہے۔

من گھڑت یا خیالی قبریں: اِنھیں مقامات میں سے وہ جگہیں بھی ہیں جن (میں سے ہرنام) کے متعلق یہ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ کسی نبی علیہ السلام یا کسی نیک انسان کی قبر ہے یا ان کی جائے قیام ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ (۱)

اس طرح کے بہت سے مقامات دمشق میں ہیں، مثلاً: لوگ گمان کرتے ہیں کہ شہر کے مشرقی دروازے کے باہر سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قبر ہے، جبکہ اہلِ علم میں یہ بات معروف نہیں کہ آپ دمشق میں فوت ہوئے (بلکہ) آپ تو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ کس کی قبر ہے؟ اسی طرح جامع مسجد دمشق کی قبلہ رخ دیوار کے پاس والی جگہ، جس کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ یہ سیدنا ہود علیہ السلام کی قبر ہے، حالانکہ اہلِ علم میں سے کسی نے بھی ہود علیہ السلام کا دمشق میں فوت ہونا بیان نہیں کیا۔

بلکہ کہا گیا ہے کہ آپ یمن میں فوت ہوئے اور یہ بھی کہ آپ مکہ میں فوت ہوئے۔

(۱) جیسا کہ ہمارے ہاں پاکستان و ہندوستان میں بھی کئی ایک چھوٹے بڑے شہروں میں مختلف بزرگوں کی طرف منسوب ٹھکانے یا آستانے مشہور ہیں جبکہ تاریخی طور پر اُن بزرگوں کا ہندو پاک میں آنا ثابت ہی نہیں ہے۔ مترجم

اسی طرح ''باب حبرون'' کے برابر والی قبر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اہلِ بیت میں سے کسی کی قبر ہے جبکہ یہ بات درست نہیں بلکہ یہ تو بہت قدیم دروازہ ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کروایا اور یہ بھی کہ ذوالقرنین نے تعمیر کروایا اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی اقوال ہیں۔

بات یہ ہے کہ ۶۳۶ھ میں، ان لوگوں میں سے کسی غیر معتبر شخص نے انھیں بتایا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے، جس کا تقاضا یا تعبیر یہ ہے کہ یہاں اہلِ بیت اطہار میں سے کوئی دفن ہیں۔ شیخ شہاب الدین المعروف ابوشامہ رحمہ اللہ نے فرمایا: مجھے ایک معتبر آدمی نے اُس شخص کے بارے میں بتلایا کہ اُس نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس نے یہ خواب کا قصہ گھڑا ہے۔ پھر لوگوں نے راہ گیروں کا راستہ بند کر دیا اور اس پورے باب کو ایک غصب شدہ مسجد بنالیا، راستہ راہ گیروں کے لئے تنگ ہو کر رہ گیا۔

اللہ تعالیٰ اُس شخص کے عذاب وسزا کو دوگنا کرے جو (راستے میں) اس مسجد بنانے کا سبب بنا اور اس شخص کو پورا پورا ثواب عطا فرمائے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کی اتباع میں اسے مسجدِ ضرار کی طرح گرانے میں تعاون کرے جو اللہ کے دشمن کفار کا مورچہ بنی ہوئی تھی۔ اس صورتِ حال میں شریعت اس کے مسجد ہونے کو نہیں دیکھتی اور اس کے ڈھانے کو بُرا نہیں سمجھتی جبکہ اس سے شر اور تکلیف پہنچانا مقصود ہو۔

اسی طرح باب الجابیہ کے باہر والی مسجد ہے جسے مسجدِ اویس قرنی کہا جاتا ہے۔ یہ بات کسی نے بیان نہیں کی کہ اویس قرنی رحمہ اللہ دمشق میں فوت ہوئے تھے۔ اسی طرح بابِ صغیر والی قبر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زوجہ اُم المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی قبر ہے جبکہ وہ بلا اختلاف مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں، اِنھی مقامات میں سے ایک قاہرہ مصر کے مقام پر مشہد ہے، کہا جاتا ہے کہ یہاں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ہے۔ یہ بات درست نہیں حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلے میں بہت سے اقوال ہیں جن کا یہ موقع محل نہیں۔ اسی طرح بہت سے معروف لوگوں کے مقبرے مشہور ہیں جب کہ یہ معروف

بات ہے کہ یہ اُن کے مقبرے نہیں، ان میں اصلاً کسی قسم کی کوئی فضیلت نہیں۔

اوہام واباطیل: ان میں وہ مقامات بھی ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں نبی ﷺ یا کسی اور کے قدم کا نشان ہے جیسا کہ جاہل لوگ بیت المقدس کے پتھر سے متعلق کہتے ہیں کہ اس پر نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک کا نشان ہے، اسی طرح دمشق کی مسجد جسے ''القدم'' کا نام دیا جاتا ہے، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قدم مبارک کا نشان ہے۔ یہ بات باطل ہے، اس کی کوئی اصل نہیں۔ چونکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام دمشق اور اس کے گرد ونواح میں تشریف نہیں لائے۔ اسی طرح وہ مساجد جو انبیاء علیہم السلام اور صالحین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں کہ وہ خواب میں ان مقامات پر دیکھے گئے ہیں۔ پس نبی کریم ﷺ یا کسی نیک آدمی کو خواب میں کسی مقام پر دیکھے جانے سے اس مقام کی فضیلت لازم نہیں آتی لہٰذا اس بنیاد پر اس مقام کا قصد کرنا اور وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس قسم کے کام تو اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) کرتے ہیں اور ایسے مقامات بہت سے شہروں میں بہت زیادہ ہیں، ان مقامات کی خصوصیت کا اعتقاد نہ رکھا جائے خواہ ان میں سے کیسا ہی مقام ہو۔

اس لئے کہ کسی ایسے مقام کی تعظیم کہ جسے اللہ تعالیٰ نے کوئی عظمت نہ بخشی ہو (محض من گھڑت بنیاد پر اُسے عظیم قرار دینے کی وجہ سے) وہ بہت ہی بُری جگہ ہوگی۔ اس طرح کی باطل زیارتیں درحقیقت اللہ کے گھر (مساجد) کے مقابلہ میں کھڑی کی گئی ہیں اور ایسی چیزوں کو تعظیم دینے کے لئے قائم کی گئی ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے کوئی عظمت نہیں بخشی اور لوگوں کو ایسی چیزوں میں مشغول ومصروف کرنے کے لئے قائم کی گئی ہیں جو نفع ونقصان نہیں دے سکتیں، نیز مخلوق کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وہ راہ اُس ''وحدہ لا شریك لہ'' کی عبادت ہے، وہ عبادت کہ جسے اُس نے اپنے رسول ﷺ کی زبانِ اقدس سے مشروع قرار دیا۔ اسی طرح ان مقامات کو مقامِ عید بنانے کے لئے ایجاد کیا گیا۔ عید بنانے سے مراد ان مقامات پر لوگوں کی بھیڑ اکٹھی کرنا اور انھیں ان کی طرف قصد کرنے کا عادی بنانا ہے......

پھر بسا اوقات ایسے مقامات میں (کرامات کے نام پر) ایسی ایسی (من گھڑت) حکایات بیان کی جاتی ہیں کہ جن میں ان کی تاثیر (کا ذکر ہوتا) ہے۔ مثلاً: ''ایک آدمی نے اس مقام پر دعا مانگی اُس کی دعا قبول ہوئی، یا ان کے لئے کسی چیز کی نذر مانی تو اس کی حاجت و ضرورت پوری ہوئی'' یا اس قسم کے دیگر من گھڑت قصے بیان کرتے ہیں۔ دراصل انھی امور کی بنا پر بتوں کی پرستش ہوئی اور ان جیسے شبہات ہی کے ذریعے سے زمین پر شرک رونما ہوا۔

نذر ماننے کی کراہت: نبی کریم ﷺ سے بسند صحیح ثابت ہے کہ آپ نے نذر ماننے سے منع کیا، آپ نے فرمایا: ((إنه لا يأتي بخير و إنما يستخرج به من البخيل)) منت کوئی بھلائی نہیں لاتی، یہ تو بخیل آدمی سے کچھ نکلواتی ہے۔

(صحیح بخاری: ۶۶۰۸، صحیح مسلم: ۱۶۳۹، دارالسلام: ۴۲۳۹ واللفظ لہ)

جب فرمانبرداری یا نیکی کے امور کسی شرط کے ساتھ بندھے ہوئے یا معلق ہوں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ یہ کوئی بھلائی لاتے ہیں، تو اس نذر کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے جو نہ نفع دیتی ہے نہ نقصان۔[1]

شبہ کا ازالہ: باقی رہا ان مقامات میں دعا کا قبول ہو جانا تو (اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں) بسا اوقات اس کا سبب دعا مانگنے والے کی سخت پریشانی، مجبوری اور بے بسی ہوتی ہے (جس پر اللہ رحم کر کے اس کی دعا قبول فرما لیتا ہے) اور بسا اوقات اس کا سبب خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے اور بسا اوقات اس کا سبب وہ معاملہ ہوتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے (پہلے سے) فیصلہ فرمایا ہوتا ہے (یعنی قضاءِ الٰہی) نہ کہ دعا کی وجہ سے اُسے وہ چیز عطاء ہوتی ہے۔ بسا اوقات کچھ دوسرے اسباب ہوتے ہیں، اگرچہ یہ دعا مانگنے والے کے حق میں

....

(۱) واضح رہے کہ وہ منتیں جن کا تعلق شرک یا بدعت والے امور سے ہو، وہ ضرور نقصان دیتی ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی ہے نیز یہ صحیح عقیدے کا صفایا کر دیتی ہیں اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے دور کر کے مخلوق پرست بنا دیتی ہے۔ مترجم

عذاب ہوتا ہے۔ (پھر اس شبہ کا آسان ازالہ اور حل یوں بھی ممکن ہے کہ) کفار اپنے بتوں کے سامنے اور بتوں کے وسیلے سے دعائیں مانگتے ہیں، تو ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، اور پھر ان پر بارش برسائی جاتی ہے، ان کی مدد کی جاتی ہے اور انھیں (بیماریوں، تکلیفوں سے) عافیت دی جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَ هٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴾ ہر ایک کو ہم مدد پہنچائے جاتے ہیں اِن کو اور اُن کو تیرے رب کی عطا میں سے اور تیرے رب کی عطا (بخشش) کسی نے نہیں روکی۔ (بنی اسرائیل: ۲۰) ☆

تقدیر میں لکھے ہوئے کے اسباب میں بہت سے امور ہیں جن کی تعداد بہت طویل ہے۔ مخلوق پر تو صرف اس شریعت کی اتباع و پیروی لازم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا اور یہ جاننا کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی و عافیت ہے۔

قبروں میں نماز پڑھنے اور انھیں میلہ گاہ بنانے کی ممانعت: اور ان مقامات میں سے کچھ مقامات ہیں کہ جن کی کچھ خصوصیت ہے لیکن وہ خصوصیت اس بات کی متقاضی نہیں کہ انھیں مقام عید بنا لیا جائے اور وہاں نمازیں پڑھی جائیں۔ یا دیگر عبادات کی جائیں جیسے دعا وغیرہ، پس ان مقامات میں وہ مقامات ہیں جہاں انبیاء علیہم السلام کی قبریں ہیں....

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ((**لا تجعلوا بیوتکم قبورًا ولا تجعلوا قبري عیدًا و صلّوا عليّ، فإن صلاتکم تبلغني حیث کنتم**))
اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور نہ میری قبر کو عید بنانا اور مجھ پر درود بھیجو بے شک تمھارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کہیں (سے بھیج رہے) ہو۔ (سنن ابی داود: ۲۰۴۲ وسندہ حسن)

علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو

....

☆ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ نیک ہوں یا بد، دنیاوی اسباب سے ہر دو کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے، محض کفر و شرک یا نافرمانی کی بنا پر دنیاوی مال و متاع کی بخشش روک نہیں دیتا۔ مترجم

دیکھا، وہ نبی ﷺ کی قبر کی اس خالی جگہ کی طرف آیا، وہاں داخل ہوکر دعا مانگنے لگا تو علی بن الحسین نے اس سے کہا: کیا میں تجھے حدیث نہ بتلاؤں؟ میرے والد نے میرے دادا سے انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا:

((لا تتخذوا قبري عيدًا و لا بيوتكم قبورًا و صلّوا عليّ فإن صلاتكم عليّ تبلغني حيث كنتم)) میری قبر کو عید نہ بنانا اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ اور مجھ پر درود بھیجو اس لئے کہ تمھارا درود مجھے پہنچتا ہے خواہ تم کہیں ہو۔

اسے حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبدالواحد المقدسی (الضیاء المقدسی) نے روایت کیا اس کتاب (المختارہ ج ۲ ص ۴۹ ح ۴۲۸) میں جس میں انھوں نے اُن احادیث جیدہ کو اختیار کیا جو صحیحین پر زائد ہیں۔ (۱)

اس کتاب میں ان کی شرط حاکم کی شرط سے بہتر ہے اور اس روایت کو سعید بن منصور نے اپنی سنن میں روایت کیا ابو سعید مولیٰ المہری کی سند سے.....

(الصارم المنکی ص ۱۶۱، وسندہ ضعیف، اس میں حبان بن علی العنزی ضعیف ہے۔ دیکھئے تقریب التہذیب: ۱۰۷۶)

اور سہل بن ابی سہل کی سند سے بھی روایت کیا۔ انھوں نے کہا: مجھے حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قبر کے پاس دیکھا، پس انھوں نے مجھے بلایا اس وقت وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (؟) کے ہاں رات کا کھانا تناول فرمارہے تھے، کہا: آیئے رات کا کھانا کھا لیجئے، میں نے کہا: میں نے (قبر مبارک پر جاکر) نبی علیہ السلام پر سلام بھیجا، تو انھوں نے کہا: جب آپ مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو سلام کہہ دیں پھر کہا: بے شک نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ (۳۷۵/۲ ح ۷۵۴۱) مسند ابی یعلیٰ الموصلی (۳۶۱/۱۔۳۶۲ ح ۴۶۹)

اس روایت کی سند ضعیف ہے: جعفر بن ابراہیم الجعفری کی توثیق سوائے ضیاء مقدسی کے کسی نے نہیں کی۔

حافظ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات میں ذکر کرکے کہا: ''يعتبر بحديثه من غير رواية عن هولاء''

اس کی حدیث کا اعتبار کیا جاتا ہے، ان لوگوں (یعنی علی بن عمر عن ابیہ الخ) سے روایت کے بغیر۔ (۱۶۰/۸)

یعنی یہ روایت حافظ ابن حبان کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

((لا تتخذوا قبري عيدًا ، ولا تتخذوا بيوتكم مقابر ، لعن اللّٰه اليهود اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد ، و صلّوا عليّ ، فإن صلاتكم تبلغني حيث ما كنتم)) میری قبر کو عید نہ بنانا، اور اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے انھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیا اور مجھ پر درود بھیجو یقیناً تمھارا درود مجھ تک پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔

(الصارم المنکی ص ۱۶۱۔۱۶۲، وسندہ ضعیف، سہیل یا سہل نا معلوم ہے۔)

وجہ استدلال: یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کرۂ ارض پر سب سے افضل قبر ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عید بنانے سے منع فرمایا۔ عید کا لفظ ''معاودہ'' سے ہے، مطلب یہ ہے کہ بار بار اُس پر آنا یا لوٹ کر آنا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسرے کی قبر بالا ولیٰ اس ممانعت کی مصداق ہے خواہ کسی کی بھی قبر ہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ہی اس چیز کو بھی بیان فرمایا کہ ''اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ'' مطلب یہ ہے کہ ان میں نماز پڑھنا دعائیں مانگنا قراءت کرنا ترک نہ کردو کہ وہ قبرستان کی طرح ہو جائیں۔ مشرکینِ نصاریٰ کی مشابہت سے بچتے ہوئے ان کے برعکس عمل کریں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قبر کو عید بنانے سے منع کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ ''مجھ پر درود بھیجو، تم جہاں بھی ہو تمھارا درود مجھ تک پہنچ جاتا ہے'' آپ اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ درود و سلام میں سے جو کچھ مجھ تک پہنچتا ہے وہ (مجھ سے یا) میری قبر سے تمھارے قُرب وبُعد کے باوجود بھی پہنچ جاتا ہے، بس تمھیں اُس (یعنی میری قبر) کو ''عید'' (بار بار لوٹنے کی جگہ) بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

پھر اہل بیت میں سے افضل ترین تابعی علی بن الحسین نے اُس آدمی کو اس عمل سے روک دیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس دعا مانگنے کو اختیار کرے اور یہ واضح فرمایا: دعا وغیرہ کے لئے آپ کی قبر کا قصد کرنا اُسے ''عید'' بنانا ہے۔ اسی طرح ان کے گھر کے بزرگ ان کے چچازاد بھائی حسن بن حسن نے اس چیز کو پسند نہیں فرمایا کہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام

بھیجنے کے لئے آپ کی قبر کا قصد کرے، وہاں جائے۔ دیکھئے (درود وسلام کے لئے) اس طرزِ عمل کی طرف کس طرح آپ ﷺ کے اہلِ بیت اطہار نے اسے ظاہر کیا، وہ گھر والے کہ جن کو رسول اللہ ﷺ سے نسب اور گھر کا قرب حاصل تھا، اس لئے کہ وہ دوسروں کی نسبت اس کی زیادہ احتیاج وضرورت رکھتے تھے، اور وہی اس کے زیادہ محفوظ کرنے والے تھے۔

آدابِ زیارتِ قبور: قبروں کی زیارت کرنے والے شخص کے لئے مستحب یہ ہے کہ وہ اس سے آخرت کو یاد کرے اور یہ کہ وہ اہلِ قبور پر سلام بھیجے، اور ان کے لئے وہ مسنون دعا مانگے جو نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سکھایا کرتے تھے کہ جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو ان کے سامنے یہ کہیں: ''**السلام علیکم أهل الدیار من المؤمنین والمسلمین ، و إنا إن شاء اللّٰه بکم لاحقون، فنسأل اللّٰه لنا ولکم العافیة** ''

تم پر سلامتی ہو اے مومن اور مسلم گھر والو! اور یقیناً ہم ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمھارے لئے عافیت طلب کرتے ہیں۔

(ابن ماجہ:۱۵۴۷، بلفظ: ''نسأل اللہ'' بدل: ''فنسأل اللہ'' صحیح مسلم:۹۷۵)

'' **أنتم لنا سلف** '' تم ہم سے پہلے گزرے۔ (مسند الرویانی ۱/۶۷ ح ۱۵، وسندہ حسن)

'' **و نحن بالأثر** '' ہم تمھارے پیچھے آنے والے ہیں۔ (ترمذی:۱۰۵۳، وسندہ ضعیف)

اس کے علاوہ جو بدعات کی جاتیں ہیں مثلاً وہاں نماز پڑھنا، انھیں عبادت گاہ بنانا، ان پر مساجد تعمیر کرنا، اس سے ممانعت پر اور ایسا کرنے والے پر سختی سے متعلق نبی ﷺ سے نصوص (روایات) متواتر ہیں۔

قبروں پر مساجد بنانے کی ممانعت: رہا قبروں پر مساجد بنانا اور وہاں فانوس، شمع یا چراغ جلانا، تو ان امور کے فاعل پر لعنت کی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کی حدیث ہے آپ نے فرمایا: ((**لعن (رسولُ) اللّٰهِ زائراتِ القبور والمتخذین علیها المساجدَ والسّرجَ**)) قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور ان پر مساجد بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر اللہ (کے رسول) نے لعنت فرمائی ہے۔

(سنن الترمذی: ۳۲۰ وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ ضعیف/ یہ ضعیف روایت ہے۔)

مختلف گروہوں کے عام علماء نے اس سلسلے میں وارد ہونے والی ممانعت کی احادیث کی متابعت کرتے ہوئے ان امور سے ممانعت کی صراحت کی ہے۔اس کے قطعی طور پر حرام ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔صحیح مسلم کی اس حدیث کی وجہ سے جو سیدنا جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن پہلے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ((إني أبرأ إلى اللّٰه أن يكون لي منكم خليل، فإن اللّٰه قد اتخذني خليلاً كما اتخذ إبراهيم خليلاً، ولو كنت متخذًا من أمتي خليلاً لا تخذت أبا بكر خليلاً ، ألا و إن من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور أنبيائهم و صالحيهم مساجد، ألا فلا تتخذوا القبور مساجد ، إني أنها كم عن ذلك)) میں اللہ کے سامنے اس سے برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی میرا خلیل ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا جس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا، خبردار رہو تم سے پہلے جو لوگ تھے وہ اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہ بنا لیتے تھے، آگاہ رہو کہ تم نے قبروں کو عبادت گاہ نہیں بنانا، یقیناً میں تمھیں اس سے منع کرتا ہوں۔

(صحیح مسلم: ۵۳۲، دارالسلام: ۱۱۸۸)

اور صحیحین میں سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، فرمایا:

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ اپنے چہرۂ اقدس پر بار بار اپنی مبارک چادر ڈال لیتے جب شدت بڑھتی، آپ گھٹن محسوس فرماتے تو اُسے ہٹا دیتے، اسی حالت میں آپ فرماتے: یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا ڈالا، آپ ان کے اس طرزِ عمل سے ڈرا رہے تھے۔

(صحیح البخاری: ۴۳۵، صحیح مسلم: ۵۳۱، دارالسلام: ۱۱۸۷)

اور صحیحین میں ہی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا:((قاتل اللّٰہ الیھود ، اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد)) اللہ تعالیٰ یہود کو ہلاک کرے، انھوں نے اپنے انبیاء (علیہم السلام) کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۳۷، صحیح مسلم: ۵۳۰، دارالسلام: ۱۱۸۵)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس بیماری کے ایام میں کہ جس میں آپ کی وفات ہوئی فرمایا:

((لعن اللّٰہ الیھود والنصاری، اتخذوا قبور أنبیائھم مساجد))

اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کو ظاہر کر دیا جاتا مگر یہی خوف تھا کہ کہیں اسے بھی سجدہ گاہ نہ بنالیا جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۳۰، صحیح مسلم: ۵۲۹)

امام احمد نے (اپنی مسند میں) سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:((إن من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم أحیاء)) یقیناً بدترین لوگ وہ ہوں گے جنھیں قیامت آ پہنچے گی اور وہ زندہ ہوں گے۔ (مسند احمد ۱/۴۰۵ ح ۳۸۴۴ بلفظ: ''إن من شرار الناس من تدرکھم الساعۃ وھم أحیاء و من یتخذ القبور مساجد .'' وسندہ حسن)

((والذین یتخذون القبور مساجد)) اور وہ لوگ جو قبروں کو عبادت گاہ بناتے ہیں۔

(مسند احمد ۱/۴۵۳ بلفظ:...'' والذین یتخذون قبور ھم مساجد'' وسندہ ضعیف/ اس کی سند ضعیف ہے۔)

قبروں پر بنی ہوئی مساجد کا حکم: اس باب میں بہت سی احادیث اور آثار ہیں، قبروں پر بنی ہوئی ان مساجد کا ختم کر دینا لازمی ہے، یہ اُن امور میں سے ہے کہ معروف علماء کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں، نیز بلا اختلاف ان میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اس سلسلہ میں ممانعت اور لعنت وارد ہونے کی وجہ سے امام احمد کے ظاہر مذہب میں صحیح نہیں ہے۔

قبروں سے متعلق بعض دیگر بدعات: اسی طرح ان مقامات اور قبروں پر چراغ، شمع یا قنادیل، فانوس وغیرہ جلانا بھی بدعات میں سے ہے، اس مسئلے پر ممانعت وارد ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی اختلاف نہیں، ایسا کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے

مطابق ملعون (لعنتی) ہے، جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا: ''بکثرت قبروں کی زیارت کرنے والی خواتین پر اللہ لعنت فرمائے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۷۸/۴ وسندہ حسن، سنن الترمذی: ۱۰۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۷۶)

اوران پر مساجد بنانے اور چراغاں کرنے والوں پر بھی۔

(سنن الترمذی: ۳۲۰ وقال: ''حدیث حسن'' وسندہ ضعیف/ یہ ضعیف روایت ہے۔)

اوران مقامات پر تیل یا شمع وغیرہ دینے کی نذر، منت کا پورا کرنا بھی جائز نہیں، بلکہ یہ نذر معصیت کی موجب ہے۔اسی طرح ان مقامات پر نماز ادا کرنا بھی مکروہ ہے خواہ ان پر مسجد نہ بھی بنائی گئی ہو، اس لئے کہ ہر وہ جگہ جہاں نماز ادا کی جائے وہ (لغوی طور پر) مسجد ہی ہے اگر چہ وہاں تعمیر یا عمارت نہ بھی ہو۔اور نبی کریم ﷺ نے اپنے فرمان میں اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ((لا تجلسوا علی القبور و لا تصلّوا علیها))

قبروں پر مت بیٹھو اور نہ ان پر نماز پڑھو۔ (صحیح مسلم: ۹۷۲، دارالسلام: ۲۲۵ ولفظہ: ولاتصلوا الیها)

(عام بیٹھنا ہو یا بطورِ مجاور بیٹھنا یہ ممانعت ہر دو کو شامل ہے۔واللہ اعلم)

اور فرمایا: ((اجعلوا من صلاتكم في بيوتكم و لا تتخذوها قبورًا .))

اپنی کچھ نمازیں (جیسے سنت وغیرہ) اپنے گھروں میں بھی ادا کرو، اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ (صحیح البخاری: ۴۳۲، صحیح مسلم: ۷۷۷ واللفظ لہ)

یعنی جس طرح قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی اپنے گھروں کو اس طرح نہ بناؤ کہ ان میں نماز ہی نہ پڑھو، امام احمد کے نزدیک قبروں کے درمیان نماز پڑھنا درست نہیں اور دوسروں کے نزدیک مکروہ ہے۔[۱]

بت پرستی کی بنیاد: جان لیجئے کہ کچھ فقہا اس طرف گئے ہیں کہ قبرستان یا مقبرہ میں نماز

(۱) قبرستان میں قبر پر نمازِ جنازہ پڑھنا بالکل صحیح ہے جیسا کہ صحیح البخاری اور دیگر کتب کی صحیح حدیث سے ثابت ہے، البتہ عام نمازیں پڑھنا منع ہے۔مترجم

کی کراہیت کا سبب تو بس وہاں نجاست کی موجودگی کا گمان ہے اور زمین کی نجاست اُس پر نماز پڑھنے کے لئے مانع ہے، خواہ وہ مقبرہ ہو یا نہ ہو۔

(واضح رہے کہ) صرف یہی سبب ممانعت کا مقصود نہیں، ممانعت کا سب سے بڑا مقصد تو یہ ہے کہ گمان ہے کہ انھیں ''اَوثان'' نہ بنالیا جائے، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے وارد ہے، آپ نے فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں یا مکروہ جانتا ہوں کہ مخلوق کی اس قدر تعظیم کی جائے یہاں تک کہ اس کی قبر کو مسجد بنالیا جائے، کہ اس کے بعد کے لوگوں پر یہ چیز فتنہ بن جائے اور نبی کریم ﷺ نے اپنے اس فرمان میں اس کے اصل سبب کی صراحت فرمائی ہے، جب فرمایا: ((**اللھم لا تجعل قبري و ثنًا یعبد**)) اے اللہ! میری قبر کو وَثن نہ بنانا کہ جس کی عبادت کی جائے۔ (مسند احمد ج ۲ ص ۲۴۶، مسند الحمیدی: ۱۰۲۵، وسندہ حسن)

اور آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''تم سے پہلے لوگ قبروں کو مساجد بنایا کرتے تھے، تم قبروں کو مساجد نہ بنانا....'' (تقدم)

اور آپ ﷺ نے خبر دی کہ کافر لوگ ایسے تھے کہ ''جب اُن میں کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنالیتے تھے، اور ان میں یہ تصویریں بنالیتے تھے، قیامت کے دن یہ اللہ کے ہاں بدترین مخلوق ہوں گے۔'' (صحیح البخاری: ۴۲۷، صحیح مسلم: ۵۲۸)

ان احادیث میں آپ ﷺ نے بتوں اور قبروں کو جمع فرمایا، یا ایک ساتھ ان کا ذکر کیا (جس سے ان کا اصل سبب معلوم ہو جاتا ہے۔)

اسی طرح ''لات'' کی عبادت کا سبب بھی ایک نیک آدمی کی قبر کی تعظیم ہی تھا، ان کے ہاں ایک شخص تھا وہ ستو میں گھی وغیرہ ملا کر حاجیوں کو کھلایا کرتا تھا، تو جب یہ فوت ہوا تو لوگوں نے اس کی قبر پر اعتکاف کیا، اور (مفسرین نے) یہ بھی بیان کیا کہ ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نیک لوگ تھے۔ یہ آدم اور نوح علیہما السلام کے درمیانی زمانہ کے لوگ تھے، کچھ لوگ ان کی پیروی کرنے والے تھے، جب یہ فوت ہوئے تو ان کی پیروی کرنے والوں نے کہا: اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو؟ (اور تصویریں بنالیں) پھر جب یہ پیروی کرنے والے

فوت ہوئے، ان کے بعد ان کی دوسری نسل آئی تو ابلیس ان کے پاس آیا اور ان سے کہا: وہ لوگ ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور انھی کے ذریعے سے بارش طلب کرتے تھے۔ پس وہ ان کی عبادت کرنے لگے، اسے محمد بن جریر الطبری نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

یہی وہ علت ہے کہ جس کی وجہ سے نبی ﷺ نے قبروں کو مساجد بنانے سے منع فرمایا اور یہی وہ چیز ہے کہ جس نے بہت سی امتوں کو یا تو شرک اکبر میں مبتلا کر دیا یا اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں۔ اسی لئے آپ بہت سی گمراہ قوموں کو پائیں گے کہ وہ نیک لوگوں کی قبروں کے سامنے گڑگڑاتے خشوع وعاجزی وانکساری اختیار کرتے نظر آئیں گے اور یہ لوگ گویا اپنے دل کی گہرائیوں سے اُن کی ایسی عبادت کرتے نظر آئیں گے جو عبادت یہ اللہ کے گھروں مساجد میں کرتے نظر نہیں آتے۔ بلکہ اللہ کے سامنے سحری کے پُر سعادت اوقات میں بھی نہیں، اور ان زیارت گاہوں اور قبروں کے سامنے نماز اور دعا (کی قبولیت) کی ایسی امید اور توقع رکھتے ہیں جو ان مساجد کے بارے میں بھی نہیں رکھتے کہ جن کی طرف رختِ سفر باندھا جاتا ہے یعنی مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔

یہی وہ فساد ہے، جس کے تمام اسباب وذرائع کو نبی ﷺ نے ختم کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے مقبروں میں نماز پڑھنے سے بھی مطلقاً منع فرما دیا محض اس فساد کا راستہ روکنے کے لئے جو کہ اوثان کی عبادت کا سبب بنا، اگرچہ اس نمازی نے خاص اُس جگہ اور اس کی برکت کا قصد وارادہ نہ بھی کیا ہو۔

اور اگر انسان وہاں نماز کا قصد وارادہ کرے یا اپنی ضرورتوں اور حاجتوں میں ان مقامات کو بابرکت، قبولیتِ دعا کی امید رکھتے ہوئے وہاں اپنے لئے دعا مانگے تو یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عین نافرمانی ودشمنی ہے۔ اس کے دین وشریعت کی مخالفت ہے اور ایک ایسے دین کا ایجاد کرنا ہے جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی اور نہ آپ ﷺ کی سنتوں اور آپ کے نقشِ قدم کی پیروی کرنے والے ائمہ مسلمین نے اس کی اجازت دی ہے۔

یقیناً قبروں کی طرف قبولیت کی توقع رکھتے ہوئے دعائیں مانگنے کے لئے جانا ممنوع عمل ہے اور یہ حرام کے زیادہ قریب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کئی ایک بار پریشانیوں اور تنگیوں میں مبتلا ہوئے، اُن پر قحط کا ساسماں ہوا۔ انھیں حوادث ومصائب نے بھی گھیرا۔ تو وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر کیوں نہ آئے، آپ سے بارش کی درخواست کیوں نہ کی؟ آپ کی قبر پر درخواست اور فریادیں کیوں نہ کیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ عزت و شرف والے ہیں۔ بلکہ قحط سالی کے موقع پر سیدنا عمر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے اور ان سے بارش کے لئے دعا کروائی۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۱۰۱۰) نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کے پاس بارش کی دعا نہ کی۔

اے مسلمان! اگر تو اپنے سلف صالحین کی طرح اللہ کی بندگی کرنے والا ہے تو ان کے طریقہ کی اقتدا کر، توحیدِ خالص کی تحقیق کر، اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کر، اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان میں حکم دیا:

﴿ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ﴾ پس تم میری ہی عبادت کرو۔ (العنکبوت: ۵۶)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴾ تم میں سے جو کوئی اپنے رب کی ملاقات پر ایمان رکھتا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے۔

(الکہف: ۱۱۰)

تُو صرف اللہ ہی کی عبادت کر، صرف اسی سے دعا مانگ، صرف اسی سے مدد مانگ، اس لئے کہ کوئی (نعمت ورحمت) روکنے والا نہیں، کوئی دینے والا نہیں، کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں، کوئی نفع دینے والا نہیں مگر صرف وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

(الأمر بالاتباع والنهي عن الابتداع ص۵۳۔۶۴، مطبوعہ مکتبۃ القرآن/ القاہرہ، مصر)

حافظ زبیر علی زئی

اذان اور اقامت کے مسائل

۱: اذان کا عام مشہور طریقہ درج ذیل ہے:
اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ، أَشْھَدُ أَن لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ ، أَشْھَدُ أَن لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ ، أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، حَيَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَيَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَيَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ، لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ . اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز کی طرف آؤ، نماز کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، فلاح کی طرف آؤ، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

(سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۸۹، وابن خزیمہ: ۳۷۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۶۷۷)

۲: مذکورہ بالا اذان کے بعد نماز کی اقامت (تکبیر) کے الفاظ درج ذیل ہیں:
اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ، أَشْھَدُ أَن لَّآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ ، أَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ ، حَيَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ ، حَيَّ عَلَی الْفَلَاحِ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ، اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ، لَآ إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ .

(سنن ابی داود: ۴۹۹ وسندہ حسن، وصححہ الترمذی: ۱۸۹، وابن خزیمہ: ۳۷۱، وابن حبان [الاحسان]: ۱۶۷۷)

قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ کا ترجمہ: یقیناً نماز کھڑی ہوگئی۔

۳: اذان کا دوسرا طریقہ جو کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے: اَللّٰہُ أَکْبَرُ اللّٰہُ أَکْبَرُ ،

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ،حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ . (سنن ابی داود:۵۰۲وسندہ صحیح)

اذانِ مذکورہ کے بعد اقامت کا طریقہ درج ذیل ہے:

اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ .

(سنن ابی داود:۵۰۲وسندہ صحیح)

۴: فقرہ نمبر ا میں بیان کردہ طریقۂ اذان کے ساتھ فقرہ نمبر ۳ والی اقامت پڑھنے کا کوئی ثبوت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: انوار السنن فی تحقیق آثار السنن .

۵: صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد فجر کی پہلی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد درج ذیل الفاظ کہنے رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں:

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ، اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ [نماز نیند سے بہتر ہے، نماز نیند سے بہتر ہے۔] (صحیح ابن خزیمہ:۳۸۵وسنده حسن و حسنه النووي في خلاصة الأحكام ۲۸۶/۱ ح۸۱۰،عثمان بن السائب الجمحي المكي و أبوه صدوقان و ثقهما بن حبان و ابن خزيمة)

دورِ حاضر اور شر القرون کے بعض لوگوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ "تثویب کے یہ الفاظِ مذکورہ رات کی اذان (!) میں ہیں، صبح کی اذان میں نہیں" جب کہ صحیح ابن خزیمہ کی اس حسن لذاتہ حدیث سے ان لوگوں کے دعوے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ مؤذن جب فجر کی اذان میں حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ، اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ دو دفعہ کہے الخ (سنن الدارقطنی ۱/۲۴۳ ح ۹۳۳ وسندہ صحیح وقال البیہقی ۱/۴۲۳: ''وھو اسناد صحیح'' ورواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ: ۳۸۶ مختصراً)

۶: جب مؤذن اذان کہے تو اُس کا (آہستہ آواز میں) جواب دینا مسنون ہے۔

جس طرح موذن کہے آپ بھی اسی طرح کہیں سوائے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے، ان دو جگہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ پڑھیں۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۸۵)

تکبیر (اقامت، دوسری اذان) کا جواب دینا صراحتاً ثابت نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص اذان پر قیاس کر کے اس کا جواب دیتا ہے تو اسی طرح جواب دے جس طرح وہ اذان کا جواب دیتا ہے۔ یاد رہے کہ اقامت کے جواب میں ''أقامها اللّٰه و أدامها'' کے الفاظ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (بتحقیقی: ۵۲۸، وسندہ ضعیف)

۷: اذان کے بعد درودِ ابراہیمی پڑھیں اور درج ذیل دعا مانگیں:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدًا نِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ. اس مکمل دعوت اور قائم نماز کے رب! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ (جنت کا سب سے بہتر محل) اور فضیلت عطا فرما، تُو نے اُن کے ساتھ جس مقامِ محمود کا وعدہ کر رکھا ہے، عطا فرما۔ (صحیح بخاری: ۶۱۴)

۸: اگر اذان ہو چکی ہو تو دوبارہ اذان دینا ضروری نہیں ہے۔

ایک دفعہ (کسی عذر کی وجہ سے) سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں نماز پڑھی تو آپ نے نہ اذان کا حکم دیا اور نہ اقامت کا۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۳۴، دارالسلام: ۱۱۹۱)

یعنی بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھائی۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں (عام نمازوں میں) صرف اقامت کہتے تھے۔

دیکھئے الموطأ (۱/۷۳ ح ۱۵۵، وسندہ صحیح، الاتحاف الباسم: ۱۹۸)

اگر فتنے اور شدید اختلاف کا اندیشہ نہ ہو تو دوبارہ اذان بھی جائز ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

تین رکعت وتر کا طریقہ

الحمدللّٰہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علٰی رسولہ الأمین، أما بعد:

تین رکعت وتر کے طریقے کے بارے میں ایک تمثیلی مکالمہ پیشِ خدمت ہے:

بریلوی: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وتر کی کتنی رکعات ثابت ہیں؟

سُنّی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت وتر بھی ثابت ہے، تین اور پانچ بھی۔ مثلاً:

سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((الوتر حق، فمن شاء أوتر بخمس ومن شاء أوتر بثلاث ومن شاء أوتر بواحدۃ .)) وتر حق ہے، پس جس کی مرضی ہو پانچ وتر پڑھے، جو چاہے تین وتر پڑھے اور جو چاہے ایک وتر پڑھے۔

(سنن النسائی ج ۳ ص ۲۳۸ حدیث نمبر: ۱۷۱۲، وسندہ صحیح، سنن ابی داود ج ۱ ص ۲۰۸ ح ۱۴۲۲)

اس حدیث کو درج ذیل اماموں نے صحیح قرار دیا ہے:

۱: ابن حبان (صحیح ابن حبان، الاحسان: ۲۴۰۲، دوسرا نسخہ: ۲۴۱۰)

۲: حاکم (المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲ ح ۱۱۲۸)

۳: ذہبی (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۳۰۲)

اس حدیث کے سارے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں لہٰذا بعض راویوں کا اسے موقوف بیان کرنا ذرا بھی مضر نہیں ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**فیحتمل أن یکون یرویہ من فتیاہ مرۃ و من روایتہ أخری**'' پس اس کا احتمال ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ اسے بطورِ فتویٰ روایت کیا ہو اور دوسری دفعہ اپنی روایت سے بیان کر دیا ہو۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۲ ص ۳۱۷ تحت ح ۱۳۹۴)

جب مرفوع اور موقوف کا اختلاف ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟ اس کے جواب میں عرض ہے

کہ عینی حنفی نے لکھا ہے:

”قلت :الحکم للرافع لأنه زاد والراوي قد یفتی بالشئ ثم یرویه مرة أخری و یجعل الموقوف فتوی فلا یعارض المرفوع“

میں نے کہا: فیصلہ مرفوع بیان کرنے والے کے بارے میں ہے کیونکہ اُس نے اضافہ بیان کیا اور راوی بعض اوقات فتویٰ دیتا ہے پھر دوسری دفعہ اسے روایت (بیان) کر دیتا ہے اور موقوف کو فتویٰ بنایا جاتا ہے لہٰذا اس کے ساتھ مرفوع کا معارضہ نہیں کیا جاتا۔

(عمدۃ القاری ج ۳ ص ۸۶ تحت ح ۱۹۳، باب وضوء الرجل مع امرأتہ وفضل وضوء المرأۃ)

حدیثِ مذکور کے راوی سیدنا ابوایوب الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”الوتر حق فمن أحب أن یوتر بخمس رکعات فلیفعل و من أحب أن یوتر بثلاث فلیفعل ومن أحب أن یوتر بواحدۃ فلیفعل .“ وتر حق ہے، پس جو شخص پانچ وتر پڑھنا چاہے تو پانچ پڑھے، جو شخص تین وتر پڑھنا چاہے تو تین پڑھے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہے تو وہ ایک وتر پڑھے۔ (سنن النسائی ج ۳ ص ۲۳۸۔۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)

ایک وتر کا طریقہ تو بہت آسان ہے: تشہد، درود اور دعا کے بعد سلام پھیر دیں۔

اگر کوئی شخص ایک رکعت وتر کا انکار کرے تو عرض ہے کہ ایک رکعت وتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین و تابعین عظام رحمہم اللہ سے ثابت ہے اور بہت سے سلف صالحین کا اس پر عمل رہا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھئے شیخ ابوعمر عبدالعزیز نورستانی حفظہ اللہ کی عظیم الشان کتاب:

”الدلیل الواضح علیٰ ان الایتار برکعۃ واحدۃ شرعۃ الرسول الناصح صلی اللہ علیہ وسلم“

پانچ رکعت وتر کا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت سے لے کر پانچویں تک کسی رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے اور پانچویں یعنی آخری رکعت میں تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ” یوتر من ذلك بخمس ، لا یجلس في شئ إلا في

آخرھا ''آپ ان سے پانچ (رکعتوں) کے ساتھ وتر پڑھتے، آپ ان میں سے کسی میں بھی نہ بیٹھتے، اِلا یہ کہ آپ آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۷)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ'' أن النبي ﷺ کان یوتر بخمس رکعات ، لا یجلس إلا في آخر ھن '' بے شک نبی ﷺ پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔ (مسند احمد ج۶ص۲۰۵ وسندہ صحیح)

تین رکعت وتر کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ ایک روایت میں آیا ہے کہ'' ثمّ یصلّي ثلاثًا '' پھر آپ (ﷺ) تین (رکعتیں) پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری ج۱ص۱۵۴ ح۱۱۴۷، صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۸)

اس کی تشریح میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے کہ''یسلّم بین کلّ رکعتین و یوتر بواحدۃ '' آپ (ﷺ گیارہ رکعتیں پڑھتے) ہر دو رکعتوں کے درمیان سلام پھیر دیتے اور ایک وتر پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم ج۱ص۲۵۴ ح۷۳۶، ترقیم دارالسلام:۱۷۱۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین رکعات وتر میں دوسری رکعت پر تشہد پڑھ کر سلام پھیر دیں اور پھر ایک وتر علیحدہ پڑھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ'' کان رسول اللّٰہ ﷺ یفصل بین الشفع والوتر بتسلیم یسمعناہ '' رسول اللہ ﷺ وتر کی جفت اور طاق رکعتوں کے درمیان سلام سے جدائی ڈالتے تھے، آپ یہ سلام ہمیں سناتے تھے۔

(صحیح ابن حبان، الاحسان ج۶ص۱۹۱ ح۲۴۳۵، دوسرا نسخہ:۲۴۲۶)

اس روایت کی سند قوی (یعنی حسن وصحیح) ہے۔

اب اس حدیث کے راوی کا عمل پیشِ خدمت ہے:

بکر بن عبداللہ المزنی رحمہ اللہ (تابعی) سے روایت ہے کہ'' أن ابن عمر صلّی

رکعتين ثم سلّم ثم قال: أدخلوا إلي ناقتي فلانة ، ثم قام فأوتر بركعة ''

بے شک ابن عمر (رضی اللہ عنہ) نے دو رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا، پھر کہا: میری فلانی اونٹنی لے آؤ۔ پھر آپ کھڑے ہوئے تو آپ نے ایک رکعت وتر پڑھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۲ ح ۶۸۰۶ وسندہ صحیح)

اس جیسی ایک روایت کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فرمایا:

'' بإسناد صحيح عن بكر بن عبدالله المزني .. ''

بکر بن عبداللہ المزنی سے صحیح سند کے ساتھ ... (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۲ تحت ح ۹۹۱)

امام نافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ بے شک عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) وتر کی دو رکعتوں اور ایک رکعت کے درمیان سلام پھیرتے تھے، حتیٰ کہ آپ اپنی بعض ضرورتوں کا حکم (بھی) دیتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۳۵ ح ۹۹۱)

تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب: ہدیۃ المسلمین (ص ۶۲۔۶۳ حدیث نمبر ۲۶)

بریلوی: جس حدیث میں پانچ رکعت کا ذکر ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ تین رکعت وتر، دو رکعت نفل۔

سنی: آپ کا یہ خودساختہ مطلب صحیح حدیث کے خلاف ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

بے شک نبی ﷺ پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔

(حوالہ سابقہ جواب میں گزر چکا ہے)

عروہ بن الزبیر رحمہ اللہ (تابعی) پانچ وتر پڑھتے، آپ ان میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۲۹۴ ح ۶۸۲۶ وسندہ صحیح)

بریلوی: امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وتر کی تین رکعت پڑھی جائیں، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھ کر تشہد **عبدہ ورسولہ** تک پڑھا جائے، اس کے بعد کھڑے ہو کر تیسری رکعت پڑھ کر، تشہد پڑھ کے سلام پھیر دیا جائے۔

سُنی: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت سے یہ مذہب باسند صحیح یا حسن لذاتہ ثابت نہیں ہے۔

محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی اور ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم القاضی کے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ دونوں جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و مجروح تھے۔

دیکھئے کتاب: تحقیقی، اصلاحی اور علمی مقالات (ج ۲ ص ۳۴۱ تا ۳۶۴، ج ۱ ص ۵۳۳ تا ۵۴۸)

☆ ابن فرقد کے بارے میں امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**لیس بشيء**'' وہ کچھ چیز نہیں ہے۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۱۷۷۰)

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: ''**لیس بشيء و لا یکتب حدیثه**'' وہ کچھ چیز نہیں ہے اور اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ (الکامل لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۸۳ وسندہ صحیح)

امام عمرو بن علی الفلاس نے فرمایا: ضعیف ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۸۱، وسندہ صحیح)

☆ یعقوب بن ابراہیم کے بارے میں یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**لا یکتب حدیثه**'' اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔

(الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۴۶۶ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۸)

امام یزید بن ہارون نے فرمایا: اس سے روایت کرنا حلال نہیں ہے۔

(الضعفاء للعقیلی ج ۴ ص ۴۴۰ وسندہ صحیح، تاریخ بغداد ج ۱۴ ص ۲۵۸ وسندہ صحیح)

یاد رہے کہ قدوری، ہدایہ اور شامی وغیرہ کی کتابوں کے حوالے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ کتابیں امام ابوحنیفہ نے نہیں لکھیں اور نہ اُن تک مسائل کی صحیح متصل سند موجود ہے۔

بریلوی: امام ابوحنیفہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حدیث میں ہے: ہر دو رکعت کے بعد بیٹھ کر تشہد پڑھا جائے۔

اس حدیث کو روایت کرنے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''**وکان یقول: في کل رکعتین التحیة**'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں میں تشہد ہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۹۴ ح ۴۹۸)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ہر دو رکعت کے بعد تشہد پڑھنا چاہئے: خواہ سنت کی نماز

ہو، نفل ہو، فرض ہو یا وتر۔

سُنّی: امام ابو حنیفہ سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہے کہ انھوں نے مسئلے کی دلیل کے لئے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مذکورہ حدیث کو پیش کیا تھا بلکہ اُن سے یہ مسئلہ ہی ثابت نہیں ہے۔

جب دو دلیلیں صحیح ہوں، ایک میں خاص مسئلہ ہو اور دوسری میں عام استدلال ہو تو عام کے مقابلے میں خاص مقدّم ہوتا ہے۔ دیکھئے علمی مقالات (ج ۲ ص ۲۵ تا ۴۱)

امام ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۵ھ) نے فرمایا:

''**ولا شك أن الخاص مقدّم على العام**'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر: البحر المحیط ج ۳ ص ۱۶۸، سورۃ النساء: ۱۔۱۰)

جب خاص اور صریح حدیث موجود ہے کہ ''بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم پانچ رکعتیں وتر پڑھتے، آپ صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے۔'' (مسند احمد ۶/ ۲۰۵ وسندہ صحیح)

اس کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے۔

بریلوی: عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتروں کی آخری رکعت پر بیٹھتے تھے، پہلے نہیں بیٹھتے تھے۔'' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تینوں رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام پھیرتے تھے، دو رکعتیں پڑھنے کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

''**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث لا يسلّم إلا في آخرهن**''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، صرف ان کے آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اس حدیث کو امام حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ حدیث امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط پر ہے۔

سُنّی: یہ مطلب کس نے بیان کیا ہے؟

آپ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں لہٰذا اپنے اس دعوے کے مطابق یہ مطلب امام ابو حنیفہ سے باسند صحیح ثابت کریں اور اگر نہ کر سکیں تو پھر اس

خودساختہ مطلب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ آپ کی پیش کردہ روایت اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہے۔

اس روایت کے ایک بنیادی راوی قتادہ (بن دعامہ) ہیں۔

(دیکھئے المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴ ح ۱۱۴۰)

قتادہ رحمہ اللہ مدلس تھے۔ خود حاکم نیشاپوری نے اسی کتاب المستدرک میں فرمایا:

''قتادة علٰی علو قدره يدلس''

قتادہ عالی قدر ہونے کے ساتھ تدلیس (بھی) کرتے تھے۔ (المستدرک ج ۱ ص ۲۳۳ ح ۸۵۱)

اس کی تلخیص میں حافظ ذہبی نے فرمایا: ''فإن قتادة يدلس''

پس بے شک قتادہ تدلیس کرتے تھے۔ (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۲۳۳)

تفصیل کے لئے دیکھئے علمی مقالات (ج ۱ ص ۲۶۰ تا ۲۶۲)

مدلس راوی کے بارے میں یہ اصول ہے کہ (صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتابوں میں) اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے، جیسا کہ احمد رضا خان بریلوی نے لکھا ہے: ''اور عنعنۂ مدلس جمہور محدثین کے مذہب مختار و معتمد میں مردود و نامستند ہے''

(فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۲۴۵، پرانا نسخہ ج ۲ ص ۲۹۰)

مستدرک میں قتادہ والی روایتِ مذکورہ چونکہ عن سے ہے لہٰذا ضعیف ہے۔

فائدہ: مستدرک والی اس ضعیف روایت میں ''**لا يسلّم**'' والے الفاظ کئی وجہ سے غلط ہیں:

۱: بیہقی نے حاکم سے، مستدرک کی اسی روایت کو ''**لا يقعد إلا في آخر هن**'' آپ نہیں بیٹھتے تھے مگر آخری رکعت میں، کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۸)

۲: ذہبی نے ''**لا يقعد إلا في آخر هن**'' کے الفاظ کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ (تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۳۰۴، نیز دیکھئے المہذب فی اختصار السنن الکبیر ۲/۳ ۴ ح ۳۴۲۶، دوسرا نسخہ ۹۶۱/۲ ح ۴۲۶۶)

۳: مستدرک کے دوسرے نسخے میں " لا یقعد " کے الفاظ ہیں، جیسا کہ بریلوی کی مذکورہ روایت کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے المستدرک (ج ۱ ص ۳۰۴)

۴: حافظ ابن حجر العسقلانی نے اسی روایت کو حاکم سے " لا یقعد إلا في آخر هن " کے الفاظ سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری (ج ۲ ص ۴۸۱، کتاب الوتر باب ماجاء فی الوتر)

معلوم ہوا کہ یہ ضعیف حدیث بھی بریلویوں کی دلیل نہیں بلکہ اہل سنت (اہلِ حدیث) کی دلیل ہے کہ تین رکعتوں کے درمیان (مغرب کی طرح) نہیں بیٹھنا چاہئے۔

بریلوی: دوسری حدیث مسند امام احمد صفحہ ۱۵۶ جلد نمبر ۶

...عائشہ (رضی اللہ عنہا) فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے، ان کے درمیان سلام کر کے فاصلہ نہیں کرتے تھے۔ **ثم أوتر بثلاث لا يفصل بينهن .**

اس حدیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ وتر کی دو رکعتوں کے بعد سلام نہیں پھیرنا چاہئے، باقی بیٹھ کر تشہد پڑھنا چاہئے۔

سُنّی: مسند احمد (ج ۶ ص ۱۵۵۔۱۵۶ ح ۲۵۲۲۳) کی یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

۱: حسن بصری رحمہ اللہ ثقہ امام ہونے کے ساتھ مدلس بھی تھے اور یہ روایت عن سے ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے لکھا ہے: "... **وكان يرسل كثيرًا و يدلّس ..**" اور آپ کثرت سے مرسل روایتیں بیان کرتے اور تدلیس کرتے تھے۔ (تقریب التہذیب: ۱۲۲۷)

حافظ ذہبی نے بھی حسن بصری کو مدلس قرار دیا۔ (دیکھئے طبقات الشافعیہ الکبریٰ للسبکی ج ۵ ص ۲۱۸)

بلکہ فرمایا: " **نعم، كان الحسن كثير التدليس ...** " جی ہاں! حسن بہت زیادہ تدلیس کرنے والے تھے۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۲۷ ت ۱۹۶۸، دوسرا نسخہ ج ۲ ص ۲۸۱)

۲: یزید بن یعفر کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن حبان نے اسے کتاب الثقات (۷/۶۳۰) میں ذکر کیا اور دارقطنی نے فرمایا: " **بصري معروف يعتبر به** " بصری معروف ہے، اس کی روایت بطورِ اعتبار (یعنی شواہد و متابعات میں) لی جاتی ہے۔

(سوالات البرقانی ص ۷۲، فقرہ: ۵۵۶)

امام دارقطنی جس راوی کے بارے میں '' یعتبر به '' کہتے تھے، یہ توثیق نہیں بلکہ ہلکی جرح ہوتی تھی۔ مثلاً انھوں نے عبدالرزاق بن عمر الدمشقی کے بارے میں کہا:

'' **هو ضعيف يعتبر به** '' (سوالات البرقانی ص ۴۸، فقرہ:۳۳۳)

یزید بن یعفر کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: '' **ليس بحجة** '' وہ حجت نہیں ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۴۲)

بریلوی: تیسری حدیث وہ ہے... جس کے الفاظ ہیں:

'' **لا يقعد بينهن إلا في آخر هن** '' جس کا مطلب یہ بیان کیا گیا کہ صرف آخری رکعت پر بیٹھنا چاہیے، درمیان میں نہیں، حالانکہ یہ مطلب و معنی غلط ہے، کسی محدث اور عالم نے یہ معنی نہیں کیا...

سُنی: اس حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

لا (نہیں) **يقعد** (بیٹھتے تھے) **بينهن** (ان کے درمیان) **إلا** (مگر) **في آخر هن** (آخر میں)

اس ترجمے سے صاف ثابت ہوا کہ اس (ضعیف) حدیث کا بھی یہی مطلب ہے کہ وتر کی تین رکعتوں کے درمیان نہیں بیٹھنا چاہیے بلکہ آخر میں بیٹھنا چاہیے۔

امام بیہقی نے اس حدیث پر درج ذیل باب باندھا ہے:

'' باب من أوتر بخمس أو ثلاث لا يجلس ولا يسلّم إلا في الآخرة منهن ''

باب: جو پانچ یا تین وتر پڑھے، وہ نہ بیٹھے اور نہ سلام پھیرے مگر ان کی صرف آخری رکعت میں۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷)

کیا امام بیہقی محدث اور عالم نہیں تھے؟

یہ مطلب و معنی کیوں غلط ہے، جبکہ امام بیہقی جیسے مشہور امام نے یہ مطلب و معنی بیان کیا ہے؟

امام بیہقی نے فرمایا کہ حاکم نیشاپوری نے کہا: '' **حدثنا محمد بن صالح بن هانئ: ثنا الحسين بن الفضل البجلي: ثنا مسلم بن إبراهيم و سليمان بن حرب قالا:**

ثنا جرير بن حازم عن قيس بن سعد عن عطاء أنه كان يوتر بثلاث لا يجلس فيهن ولا يتشهد إلا في آخرهن ''قیس بن سعد (ثقہ) سے روایت ہے کہ عطاء (بن ابی رباح رحمہ اللہ/ تابعی) تین وتر پڑھتے، آپ اُن میں نہ بیٹھتے اور صرف ان کے آخر میں ہی تشہد پڑھتے تھے۔ (السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۹)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

حاکم صدوق تھے اور یہ روایت المستدرک (۱/ ۳۰۵) میں بھی موجود ہے لیکن وہاں کتابت یا ناسخ کی غلطی سے الحسین بن الفضل البجلی کے بجائے الحسن بن الفضل چھپ گیا ہے۔ نیموی (تقلیدی) نے حسن بن الفضل پر جرح نقل کر دی ہے۔ (دیکھئے آثار السنن ص ۳۲۲ تحت ح ۶۲۵)

حالانکہ ہماری بیان کردہ سند میں حسن بن الفضل نہیں بلکہ الحسین بن الفضل البجلی راوی ہیں، جن کے حالات لسان المیزان (۲/ ۳۷۵ ت ۲۷۸۷) میں موجود ہیں اور حاکم و ذہبی دونوں نے ان کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا ہے۔ دیکھئے المستدرک (۳/ ۱۲۵)

اُن کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا: '' **العلامة المفسّر الإمام اللغوي المحدّث... عالم عصره** '' (سیر اعلام النبلاء ۱۳/ ۴۱۴)

اور فرمایا: '' **وكان آية في معاني القرآن، صاحب فنون و تعبد ...** '' وہ قرآن کے معانی میں نشانی (یعنی بہت ماہر) تھے، فنون اور عبادت والے تھے...

(العبر فی خبر من غبر ج ۱ ص ۴۰۶ وفیات ۲۸۲ھ)

حاکم کے استاذ محمد بن صالح بن ہانی ثقہ تھے۔

(لسان المیزان ج ۵ ص ۲۳۹ ترجمہ محمد بن عبداللہ بن خلیفہ بن الجارود، المنتظم لابن الجوزی ۱۴/ ۸۶ ت ۲۵۳۱)

مسلم بن ابراہیم اور سلیمان بن حرب دونوں ثقہ تھے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۶۶۱۶، ۲۵۴۵)

جریر بن حازم صحیحین کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق تھے، اُن پر جرح مردود ہے۔

تنبیہ: جریر بن حازم سے تدلیس کرنا ثابت نہیں ہے۔
دیکھئے الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین (ص ٢١)

خلاصہ یہ کہ یہ سند حسن لذاتہ ہے۔

فائدہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ طاؤس (ثقہ تابعی) رحمہ اللہ تین وتر پڑھتے تھے، آپ ان میں نہیں بیٹھتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ٣/ ٢٧ ح ٤٦٦٩)

اس کی سند امام عبدالرزاق بن ہمام (مدلس) کے عن کی وجہ سے ضعیف ہے۔

جو لوگ حافظ ابن حجر کی کتاب: طبقات المدلسین کے طبقات پر اندھا دھند ایمان رکھتے ہیں تو اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ عبدالرزاق کو حافظ ابن حجر نے طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے طبقات المدلسین ٢/ ٥٨)

لہٰذا تمھارے اُصول سے یہ روایت صحیح ہے۔!

تابعی امام عطاء بن ابی رباح کے واضح عمل کے بعد بھی یہ کہنا کہ "یہ مطلب و معنی غلط ہے" کیا معنی رکھتا ہے؟

بریلوی: سارے علماء یہی فتویٰ دیتے ہیں کہ وتروں کی دو رکعتوں کے بعد بیٹھنا چاہئے۔

سُنی: امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ جو تین وتر کی صرف آخری رکعت میں بیٹھتے تھے اور اس کے درمیان نہیں بیٹھتے تھے، کیا عالم نہیں تھے؟

امام بیہقی کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جنھوں نے فرمایا:

جو پانچ یا تین وتر پڑھے، وہ نہ بیٹھے اور نہ سلام پھیرے مگر ان کی صرف آخری رکعت میں۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ٣/ ٢٧)

کیا امام بیہقی بھی عالم نہیں تھے؟

کچھ تو غور کریں، اگر ہم عرض کریں تو شکایت ہوگی۔!

بریلوی: آپ کے امام خود بھی گمراہ ہیں، جس نے کتاب لکھی ہے وہ گمراہ ہے۔

سُنی: ہمارے امام تمام صحابۂ کرام، ثقہ و صدوق تابعین، ثقہ و صدوق تبع تابعین اور تمام

مستند و قابلِ اعتماد ائمۂ مسلمین ہیں، کیا اُن پر بھی یہ فتویٰ لگا دو گے؟

اہلِ حدیث (اہلِ سنت) کے نزدیک قرآن مجید اور حدیث (یعنی رسول اللہ ﷺ کی صحیح اور مقبول حدیثیں) حجت ہیں۔

چونکہ امت کے اجماع کا حجت ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا صحیح و ثابت شدہ اجماع شرعی حجت ہے۔

قرآن و حدیث کا وہی مفہوم اور شرح حجت ہے جو سلف صالحین سے اختلاف کے بغیر ثابت ہے۔

جو مسئلہ ان تین دلیلوں (ادلۂ ثلاثہ) میں نہ ملے تو پھر اجتہاد جائز ہے۔

اجتہاد کے تحت آثارِ سلف صالحین اور قیاس وغیرہ سے استدلال جائز ہے، بشرطیکہ یہ کتاب وسنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو۔

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم، ثقہ وصدوق صحیح العقیدہ تابعین، تبع تابعین اور قابلِ اعتماد ائمۂ اہلِ سنت سے محبت کرنا فرض ہے۔

تقلید جائز نہیں ہے لہٰذا عالم کو چاہئے کہ دلیل دیکھ کر عمل کرے اور فتویٰ بھی دے۔ جاہل کو چاہئے کہ عالم سے (دلیل کے مطالبے کے ساتھ) مسئلہ پوچھ کر عمل کرے اور یاد رہے کہ یہ تقلید نہیں ہے۔

کیا ایسے عقائد اور نظریات والا شخص بریلویوں کے نزدیک گمراہ ہوتا ہے؟

کیا آپ نے اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا بھی جائز لیا ہے کہ کہیں آپ خود تو گمراہ نہیں؟!

گمراہ تو وہ ہے جو قرآن و حدیث اور اجماع نہیں مانتا، سلف صالحین کے متفقہ فہم کی مخالفت کرتا ہے اور شرک و بدعت کی ترویج میں دن رات مصروف ہے۔

خلاصۃ التحقیق: قارئین کرام!

اس ساری بحث و تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ وتر ایک بھی صحیح ہے، تین بھی صحیح ہیں اور پانچ بھی، تین وتر کا طریقہ یہ ہے کہ دو پڑھ کر سلام پھیر دیں اور ایک وتر علیحدہ پڑھیں۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا توتروا بثلاث تشبهوا بصلاة المغرب ولكن أوتروا بخمس ...))

تین وتر نہ پڑھو، مغرب کی نماز کے مشابہ لیکن پانچ وتر پڑھو... (المستدرک ج ا ص ۳۰۴ ح ۱۱۳۷)

اس حدیث کو حاکم ، ذہبی اور ابن حبان (الاحسان ۴/ ۱۷۰ ح ۲۴۲۰) وغیرہم نے صحیح قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر العسقلانی نے روایتِ مذکورہ کو ''و إسناده على شرط الشيخين '' قرار دے کر بعد میں فرمایا: '' والجمع بين هذا و بين ما تقدم من النهي عن التشبه بصلوة المغرب أن يحمل النهي عن صلوة الثلاث بتشهدين و قد فعله السلف أيضًا ... '' اور اس روایت اور نمازِ مغرب سے تشبہ (مشابہت) کی سابقہ روایت میں جمع یہ ہے کہ ممانعت کو تین (وتر) کی نماز دو تشہدوں پر محمول کیا جائے اور سلف نے بھی ایسا کیا ہے... (فتح الباری ج ۲ ص ۴۸۱)

حافظ ابن حجر کی اس تشریح و تفہیم سے معلوم ہوا کہ تین وتر اگر کوئی شخص ایک سلام سے پڑھے تو درمیان میں تشہد کے لئے نہ بیٹھے بلکہ صرف آخر میں ہی تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہ ثابت ہے کہ پانچ رکعت وتر کے درمیان سلام نہیں پھیرنا چاہئے ، کیونکہ آپ ﷺ پانچ وتر میں صرف آخری رکعت میں ہی بیٹھتے تھے، اس سے بھی حافظ ابن حجر کی تائید ہوتی ہے۔

تنبیہ: میری تحقیق میں کسی صحیح یا حسن لذاتہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ سے ایک سلام کے ساتھ تین رکعت وتر ثابت نہیں ہیں لیکن بعض صحابہ و تابعین سے ایک سلام کے ساتھ ضرور ثابت ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھے جائیں ، اگر ایک سلام سے پڑھیں تو اس مضمون میں احادیثِ مذکورہ کی رُو سے دوسری رکعت میں تشہد کے لئے نہ بیٹھیں بلکہ صرف آخر میں تشہد، درود اور دعا پڑھ کر دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

وما علینا إلا البلاغ (۲۳/ نومبر ۲۰۰۹ء)

اعظم المبارکی

تخلیقِ عورت اور سلف کا موقف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً ﴾

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت دُنیا میں پھیلا دیے۔ (النساء:۱)

حافظ ابوالفداء ابن کثیر الدمشقی نے ﴿خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ کی تفسیر میں کہا:

"و هي حواء عليها السلام، و خلقت من ضلعه الأيسر" الخ

اور یہ حوا علیہا السلام ہیں جو اُن (یعنی آدم علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔ الخ

(تفسیر القرآن العظیم ۳۳۳/۲ نسخہ محققہ)

ثقہ عند الجمہور راوی اور امام فی التفسیر اسماعیل بن عبدالرحمٰن السدی رحمہ اللہ نے کہا: "أسكن آدم الجنة فكان يمشي فيها وحشًا ليس له زوج يسكن إليها فنام نومة واستيقظ فإذا عند رأسه امرأة قاعدة خلقها الله من ضلعه..." آدم علیہ السلام جنت میں ٹھہرے تو وہ اکیلے چلتے پھرتے تھے، ان کی کوئی بیوی نہیں تھی کہ وہ اس سے راحت حاصل کرتے، پس ایک دفعہ وہ سونے کے بعد اُٹھے تو ان کے سر کے پاس ایک عورت کھڑی تھی، اس کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی پسلی سے پیدا کیا... (تفسیر ابن جریر الطبری ۱۵۰/۴، وسندہ حسن)

ابوحیان الاندلسی نے کہا: "و خلق منها زوجها حواء من ضلع من أضلاعها"

اُن کی بیوی حوا علیہا السلام کو ان کی پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا۔ (تفسیر البحر المحیط ۱۶۳/۳)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ عورت کو سیدنا آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا کیا گیا ہے، اس مفہوم کی تائید درج ذیل صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((استوصوا بالنساء

فإن المرأة خلقت من ضلع ....)) تم عورتوں کو نصیحت کرتے رہو! بے شک عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے..... (صحیح البخاری:۳۳۳۱،صحیح مسلم:۱۵/۱۴۶۸،قبل:۱۴۶۸،دارالسلام:۳۶۴۳)

درج ذیل شارحینِ حدیث نے اس حدیث کی تشریح بایں الفاظ کی ہے:

۱) حافظ ابن حجر نے کہا: ''قیل فیه إشارة إلٰی أن حواء خلقت من ضلع آدم الأیسر و قیل من ضلعه القصیر'' کہا جاتا ہے: اس میں اشارہ ہے کہ حوا (علیہا السلام) آدم (علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور کہا جاتا ہے: چھوٹی پسلی سے۔

(فتح الباری ۳۶۸/۶)

۲) کرمانی نے کہا: ''أنها خلقت أعوج أجزاء الضلع''

بے شک وہ (یعنی حوا علیہا السلام) پسلی کے ٹیڑھے حصے سے پیدا کی گئی ہیں۔

(صحیح البخاری بشرح الکرمانی ۱۳۱/۱۹)

۳) عینی حنفی نے کہا: ''أنها خلقت من الضلع الأعوج هو الذي في أعلی الضلع'' بے شک وہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، جو پسلیوں میں اوپر ہوتی ہے۔

(عمدۃ القاری ۲۱۲/۸)

٤) قسطلانی نے کہا: ''و قیل أراد به أول النساء أخرجت من ضلع آدم الأیسر و قیل من القصیری کما تخرج النخلة من النواة....'' الخ

اور کہا جاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بے شک پہلی عورت (حوا علیہا السلام)، آدم (علیہ السلام) کی بائیں پسلی سے نکالی گئیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے چھوٹی (پسلی سے)، جس طرح کھجور گٹھلی سے نکالی (علیحدہ کی) جاتی ہے.... الخ (ارشاد الساری ۳۲۳/۵)

۵) احمد بن عمر بن ابرہیم القرطبی نے کہا: ''هذا مؤید ما ینقله المفسرون: أن حواء خلقت من آخر أضلاع آدم علیهما السلام'' اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے جو کہ مفسرین سے منقول ہے: بے شک حوا علیہا السلام (سیدنا) آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے آخری پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ۲۲۲/۴)

حافظ القرطبی نے خُلِقَتْ کا مفہوم بایں الفاظ بیان کیا ہے:

"أي: أخرجت كما تخرج النخلة من النواة ."

یعنی نکالی گئی ہیں، جس طرح کھجور گٹھلی سے نکالی جاتی ہے۔ (أیضاً)

۶) علامہ نووی شافعی نے کہا: "**و فيه دليل لما يقوله الفقهاء أو بعضهم أن حواء خلقت من ضلع آدم، قال الله: ﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ و بين النبي ﷺ أنها خلقت من ضلع .**" اس میں دلیل ہے جو (تمام) فقہاء یا بعض فقہاء کا قول ہے: بے شک حوا (علیہا السلام) آدم (علیہ السلام) کی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی جان سے اس کا جوڑا بنایا﴾ اور نبی ﷺ نے واضح کیا: بے شک وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (شرح صحیح مسلم للنووی ۱۰/۵۷)

☆ ملا علی قاری حنفی نے کہا: "**و هي حواء خلقت من أعوج ضلع من أضلاع آدم عليه السلام**" اور یہ حوا (علیہا السلام) ہیں جو آدم علیہ السلام کی پسلیوں میں سے ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (مرقاۃ المفاتیح ۶/۳۸۷)

بعض الناس کا یہ دعویٰ ہے کہ "حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا نہیں کی گئیں بلکہ عورتوں میں پسلی کی سی کج روی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((**استوصوا بالنساء خيرًا فإنهن خلقن من ضلع .**)) تم عورتوں کو بھلائی کی نصیحت کرتے رہو! کیونکہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۱۸۶)

اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساری عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں لیکن ظاہر ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہے، تو لامحالہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلقن من ضلع سے مراد عورتوں میں کج روی کا پایا جانا ہے نہ کہ اُن کا تخليق من ضلع آدم مراد ہے۔"

اس حدیث اور پہلی حدیث میں تطبیق یہ ہے کہ پہلی عورت یعنی حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام کی پسلی سے ہی پیدا کی گئی ہیں، جیسا کہ قرآن، حدیث اور فہمِ سلف سے ثابت ہے اور مذکورہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں میں پسلی کی سی کج روی ہے۔ واللہ اعلم [ختم شد]

احسن الحدیث — اعظم المبارکی

موت وحیات کی کشمکش!

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۨ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ﴾

نہایت برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں (کائنات کی) بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ذات جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہ (اللہ) غالب (اور گناہوں کو) بخشنے والا ہے۔ (الملک:۱۔۲)

فقہ القرآن:

☆ ساری کائنات کی بادشاہت اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس میں اپنی قدرت، علم و حکمت کے ساتھ متصرف و مدبّر ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ ہی دنیاوی حیات و موت کا خالق ہے، وہ جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ایک وقتِ مقررہ تک زندگی گزارنے کی مہلت عنایت کرتا ہے۔

☆ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور اس امتحان میں وہی شخص کامیاب و کامران ہے جو اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ (یعنی کتاب وسنت) کے احکامات کی روشنی میں گزارتا ہے۔اس کے برعکس جس نے اپنی زندگی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی میں گزاری، ایسے شخص کے لئے جہنم کا دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

☆ امام قتادہ رحمہ اللہ نے ﴿ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا:

"أذل اللّٰهُ ابنَ آدم بالموت و جعل الدنیا دار حیاۃ و دار فناء و جعل الآخرۃ دار جزاء و بقاء" اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو موت کے ذریعے سے کمزور کر دیا ہے اور دنیا کو زندگی (گزارنے کے لئے) اور فنا ہونے والی بنایا ہے اور آخرت کو (اعمال کی) جزا اور باقی رہنے والا بنایا ہے۔ (تفسیر طبری ۲۹/۲ وسندہ صحیح)